قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (آل عمران: 74)

روزنامہ

الفضل

لندن

مدیر۔ابو سعید

Online Edition

منگل 18 جنوری 2022ء | 14 جمادی الثانی 1443 ہجری قمری | 18 صلح 1401 ہجری شمسی | جلد:4 | شمارہ:15

ارشاد باری تعالیٰ

مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضۡعَافًا کَثِیۡرَۃً ؕ وَاللّٰہُ یَقۡبِضُ وَیَبۡصُۜطُ ۪ وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۴۶﴾

(البقرہ: 246)

ترجمہ: کون ہے جو اللہ کو قرضہ حسنہ دے تا کہ وہ اس کے لئے اسے کئی گنا بڑھائے۔ اور اللہ (رزق) قبض بھی کر لیتا ہے اور کھول بھی دیتا ہے۔ اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

فرمانِ رسول ﷺ

حضرت مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مَیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ سورۃ اَلۡھٰکُمُ التَّکَاثُرُ پڑھ رہے تھے۔ آپؐ نے اس کی تلاوت کے بعد فرمایا: ابن آدم کہتا ہے کہ میرا مال! میرا مال! اے ابن آدم! کیا کوئی تیرا مال ہے بھی؟ سوائے اس مال کے جو تو نے کھایا اور ختم کر دیا۔ یا جو تُو نے پہنا اور پرانا اور بوسیدہ کر دیا۔ یا جو تو نے صدقہ کیا اور اسے آگے بھیج دیا۔

(مسلم کتاب الزھد والرقائق باب الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر حدیث 7314)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

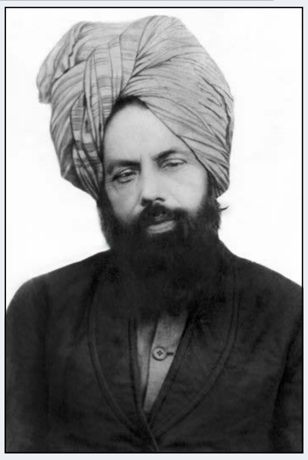

’’چندے کی ابتدا اس سلسلہ سے ہی نہیں ہے بلکہ مالی ضرورتوں کے وقت نبیوں کے زمانہ میں بھی چندے جمع کئے گئے تھے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ذرا چندے کا اشارہ ہوا تو تمام گھر کا مال لا کر سامنے رکھ دیا۔ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ حسب مقدور کچھ دینا چاہئے اور آپ کی منشاء تھی کہ دیکھا جاوے کہ کون کس قدر لاتا ہے۔ ابو بکرؓ نے سارا مال لا کر سامنے رکھ دیا۔ اور حضرت عمرؓ نے نصف مال۔ آپ نے فرمایا کہ یہی فرق تمہارے مدارج میں ہے اور ایک آج کا زمانہ ہے کہ کوئی جانتا ہی نہیں کہ مدد دینی بھی ضروری ہے۔ حالانکہ اپنی گذران عمدہ رکھتے ہیں ان کے برخلاف ہندوؤں وغیرہ کو دیکھو کہ کئی کئی لاکھ چندہ جمع کر کے کارخانہ چلاتے ہیں اور بڑی بڑی مذہبی عمارات بناتے اور دیگر موقعوں پر صرف کرتے ہیں حالانکہ یہاں تو بہت ہلکے چندے ہیں۔ پس اگر کوئی معاہدہ نہیں کرتا تو اسے خارج کرنا چاہیے وہ منافق ہے اور اس کا دل سیاہ ہے۔ ہم ہرگز نہیں کہتے کہ ماہواری روپے ہی ضرور دو ہم تو یہ کہتے ہیں کہ معاہدہ کر کے دو جس میں کبھی فرق نہ آوے۔ صحابہ اکرامؓ کو پہلے ہی سکھایا گیا تھا۔ لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ (آل عمران: 93) اس میں چندہ دینے اور مال صرف کرنے کی تاکید اور اشارہ ہے۔

یہ معاہدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ ہوتا ہے اس کو نباہنا چاہیئے۔ اس کے برخلاف کرنے میں خیانت ہوا کرتی ہے۔ کوئی کسی ادنیٰ درجہ کے نواب کی خیانت کر کے اس کے سامنے نہیں ہوسکتا تو احکم الحاکمین کی خیانت کر کے کس طرح اسے اپنا چہرہ دکھلا سکتا ہے۔ ایک آدمی سے کچھ نہیں ہوتا جمہوری امداد میں برکت ہوا کرتی ہے۔ بڑی بڑی سلطنتیں بھی آخر چندوں پر ہی چلتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ دنیاوی سلطنتیں زور سے ٹیکس وغیرہ لگا کر وصول کرتے ہیں اور یہاں ہم رضا اور ارادہ پر چھوڑتے ہیں۔ چندہ دینے سے ایمان میں ترقی ہوتی ہے اور یہ محبت اور اخلاص کا کام ہے‘‘

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 361 ایڈیشن 1988ء)

فرمان خلیفہ وقت

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

دنیاوی قرضہ حسنہ لینے والا تو اتنا ہی لوٹاتا ہے جتنا کہ قرض لیا گیا ہو اور اس میں بڑی ٹال مٹول سے کام لیتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ تو کئی گنا بڑھا کر واپس لوٹاتا ہے۔ پس جب مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے تو یہ سوچ کر دینا چاہئے کہ مَیں ایک ایسی ہستی کے نام پر دے رہا ہوں جو زمین و آسمان کا خالق و مالک ہے۔ اگر وہ مانگ رہا ہے تو اپنے لئے نہیں مانگ رہا بلکہ میرے فائدے کے لئے مانگ رہا ہے، دینے والے کے فائدے کے لئے مانگ رہا ہے۔ اور جب اس کے نام پر اس کی جماعت کی ترقی کے لئے دینا ہے تو بغیر کسی تردّد کے دوں اور بہترین دوں۔ اس میں کسی بھی قسم کی خیانت نہ ہو۔ بدعہدی نہ ہو۔ جو میرے پہ فرض ہے جو مَیں نے وعدہ کیا ہے اس کو ادا کرنے میں اپنی ذاتی ضرورتوں کو ترجیح نہ دوں۔

(خطبہ جمعہ۔ 8 جنوری 2010ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

اس شمارہ میں

- ظہور خیر الانبیاءؐ (منظوم)
- کتاب تعلیم کی تیاری (قسط 28)
- یونانی فلسفے کے مسلمان مفکرین پر گہرے اثرات (قسط دوم)
- افتتاح مسجد جماعت کاسری ریجن کایا بر کینا فاسو

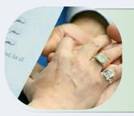

دربارِ خلافت

’’جس آؤنا سی او تے آ گیا‘‘

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

حضرت مولا داد صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ 1880ء سے پہلے کا واقعہ ہے جب میری عمر دس گیارہ سال کی ہوگی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا گروہ آدمیوں کا کمر بستہ ہے اور ایک شخص اُن کے آگے آگے ہے وہ بھی کمر بستہ جارہا ہے۔سر سے اور گلے سے سب برہنہ معلوم ہوتے ہیں۔ کمروں میں پٹکے بندھے ہوئے ہیں۔سب سے اگلا جو ہے وہ پیشرو معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔’’ہفت زمین ہفت آسمان ازخویش پیدا می کنم‘‘ اور پیچھے والے سب یک زبان ہوتے ہیں ’’ازخویش پیدا می کنم، ازخویش پیدا می کنم‘‘ اسی طرح کہتے جاتے ہیں اور جھومتے جاتے ہیں۔ ایک پختہ چار دیواری میں جا داخل ہوتے ہیں۔یعنی سات زمین اور سات آسمان مَیں ہی پیدا کرنے والا ہوں، مَیں نے خود ہی پیدا کیا ہے یا پیدا کروں گا۔ بہر حال یہ بھی نئی زمین اور نیا آسمان پیدا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ بہرحال ان کو خواب میں یہ دکھایا گیا۔

پھر اگلی روایت کرتے ہیں کہ 1906ء کو میرے بڑے بھائی عبدالحکیم تپ سے بیمار تھے۔ (بخار سے بیمار ہو گئے۔) اُن کا علاج ایک طبیب مولوی جو سلسلے کا سخت مخالف تھا، کر رہا تھا اور اُس کا بڑا بھائی شمس الدین احمدی تھا۔ وہ گاؤں موضع دودہ علاقہ سکرشکر میں ہے۔ اس طبیب مولوی نے حضرت اقدس کی شان میں نالائم الفاظ استعمال کئے۔ (یعنی اچھے الفاظ استعمال نہ کئے) مَیں تو موجود نہ تھا۔لیکن بھائی جو بیمار تھا انہوں نے اپنے حکیم کو روکا۔ کہتے ہیں جب مَیں باہر سے آیا تو وہ مولوی چلا گیا تھا۔ بھائی صاحب نے نہایت سنجیدہ لہجے میں کہا کہ مَیں اس طبیب سے علاج نہیں کراتا۔ اس نے حضرت صاحب کی شان میں گستاخی کی ہے۔غرض وہ مولوی راستہ میں ہی طاعون کا شکار ہو گیا۔ پھر میں بھائی صاحب کو اپنے ساتھ بہاولنگر لے گیا وہاں دوا اسسٹنٹ سرجن علاج کرتے رہے مگر آخر انہوں نے جواب دے دیا کہ اب یہ بچ نہیں سکتے۔ علاج ترک کر دو اور پیسہ خراب نہ کرو۔ (شدت سے طاعون پھیلا ہوا تھا، وہ مولوی جو بدزبانی کر رہا تھا، وہ تو رستے میں طاعون کا شکار ہو کے ختم ہو گیا لیکن بھائی جو ان کا علاج کروا رہے تھے، اُن کی بیماری جو ہے وہ بڑھتی چلی گئی۔ بہاولپور جب لے کر گئے ہیں وہاں بھی ڈاکٹروں نے جواب دے دیا)۔ کہتے ہیں تب مَیں نے ایک سال کے بعد حضرت اقدس کے حضور خط لکھا۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواباً تحریر فرمایا کہ ’’فکر نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرسکتا ہے۔ ہم دعا کریں گے۔تم بھی دعا کرو اِنْ شَآءَ اللّٰہُ صحت ہو جائے گی‘‘۔ اس خط کے دوسرے دن مَیں نے دیکھا کہ بھائی کا بخار جاتا رہا۔ مَیں نے کہا اب آپ کو بخار نہیں ہے۔ مَیں نے اُٹھا کر بٹھایا اور خود سہارا لے کر بیٹھ گیا تو بھائی صاحب نے کہا کہ میرا سینہ جو جلتا تھا اب سرد ہے۔ مَیں نے کہا کہ مَیں نے حضرت اقدس کے حضور لکھا تھا۔حضور نے جواباً تحریر فرمایا ہے کہ ہم دعا کریں گے۔ خدا تعالیٰ شفا دے گا۔تب سن کر پنجابی میں کہنے لگا کہ ’’او ہو ہن مَیں نئیں مردا۔ مسیح نے مردہ زندہ کیتا اے‘‘۔ اس کے بعد وہ احمدی ہو گئے۔یعنی بیعت کر لی اور پھر پوری صحت ہو گئی۔ (ماخوذ از رجسٹر روایاتِ صحابہ جلد 2 صفحہ 84-85) اس سے پہلے احمدی نہیں تھے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف بات سننا پسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت صوفی نبی بخش صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حضور مسجد میں تشریف لائے اور میری نظر حضور کے چہرہ مبارک پر پڑی تو میں نے حضور کو پہچان لیا اور فوراً بجلی کی طرح میرے دل میں ایک لہر پیدا ہوئی کہ یہ وہ مبارک وجود ہے جس کو میں نے ایام طالب علمی یعنی ستمبر 1882ء کو خواب میں دیکھا تھا۔حضرت صاحب نے اُس دن وہ لباس پہنا ہوا تھا جس لباس میں وہ مجھے خواب میں ملے تھے۔

(ماخوذ از رجسٹر روایاتِ صحابہ جلد 5 صفحہ 42)

حضرت مولوی امام الدین صاحب فیضؓ ولد مولانا بدر الدین صاحب فرماتے ہیں کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہونے کی پوری ہدایت رؤیائے صادقہ سے ہوئی جو استخارہ مسنونہ کئی بار کرنے کے بعد مجھے آئی۔ جب میں پہلی دفعہ بٹالہ والے پیر صاحب کی اجازت لے کر صرف قادیان دیکھنے کے واسطے آیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کے وقت پوچھا کہ وحی تو خاصہ انبیاء کا ہے۔ آپ یہ دعویٰ کیسے کرتے ہیں۔فرمایا کہ وحی تو شہد کی مکھی کو بھی بقیہ صفحہ 10 پر

ظہورِ خیرالانبیاءؐ

اِک رات مفاسد کی وہ تیرہ و تار آئی
جو نور کی ہر مشعل ظلمات پہ وار آئی

تاریکی پہ تاریکی، گمراہی پہ گمراہی
ابلیس نے کی اپنے لشکر کی صف آرائی

طوفانِ مفاسد میں غرق ہو گئے بحر و بر
ایرانی و فارانی، رُومی و بُخارائی

بن بیٹھے خدا بندے، دیکھا نہ مقام اُس کا
طاغوت کے چیلوں نے ہتھیا لیا نام اُس کا

تب عرشِ معلّٰی سے اِک نور کا تخت اُترا
اِک فوج فرشتوں کی ہمراہ سوار آئی

اِک ساعتِ نورانی، خورشید سے روشن تر
پہلو میں لئے جلوے بے حد و شمار آئی

کافور ہوا باطل، سب ظلم ہوئے زائل
اُس شمس نے دِکھلائی جب شانِ خودآرائی

ابلیس ہوا غارت، چوپٹ ہوا کام اُس کا
توحید کی یورش نے در چھوڑا نہ بام اُس کا

وہ پاک محمدؐ ہے ہم سب کا حبیب آقا
انوارِ رسالت ہیں جس کی چمن آرائی

محبوبی و رعنائی کرتی ہیں طواف اُس کا
قدموں پہ نثار اُس کے جمشیدی و دارائی

نبیوں نے سجائی تھی جو بزم مہ و انجم
اللہ اُسی کی تھی سب انجمن آرائی

دن رات دُرود اُس پر ہر اَدنیٰ غلام اُس کا
پڑھتا ہے بصد منت چیتے ہوئے نام اُس کا

آیا وہ غنی جس کو جو اپنی دُعا پہنچی
ہم در کے فقیروں کی بھی بخت سنوار آئی

ظاہر ہوا وہ جلوہ جب اُس سے نگہ پلٹی
خود حسن نظر اپنا سو چند نکھار آئی

اے چشمِ خزاں دیدہ کھل کھل کہ سماں بدلا
اے فطرتِ خوابیدہ! اُٹھ اُٹھ کہ بہار آئی

نبیوں کا امام آیا، اللہ امام اُس کا
سب تختوں سے اُونچا ہے تختِ عالی مقام اُس کا

اللہ کے آئینہ خانے سے شریعت کی
نکلی وہ دُلہن کر کے جو سولہ سنگھار آئی

اُترا وہ خدا کوہِ فارانِ محمدؐ پر
موسیٰ کو نہ تھی جس کے دیدار کی یارائی

سب یادوں میں بہتر ہے وہ یاد کہ کچھ لمحے
جو اُس کے تصور کے قدموں میں گزار آئی

وہ ماہِ تمام اُس کا، مہدی تھا غلام اُس کا
روتے ہوئے کرتا تھا وہ ذکر مدام اُس کا

مرزائے غلام احمد، تھی جو بھی متاعِ جاں
کر بیٹھا نثار اُس پر۔ ہو بیٹھا تمام اُس کا

دل اُس کی محبت میں ہر لحظہ تھا رام اُس کا
اِخلاص میں کامل تھا وہ عاشقِ تام اُس کا

اِس دور کا یہ ساقی، گھر سے تو نہ کچھ لایا
مے خانہ اُسی کا تھا، مے اُس کی تھی، جام اُس کا

سَازندہ تھا یہ، اس کے۔سب ساجھی تھے میت اُس کے
دُھن اِس کی تھی، گیت اُس کے۔لب اس کے، پیام اُس کا

اِک میں بھی تو ہوں یاربّ، صیدتہ دام اُس کا
دل گاتا ہے گُن اُس کے لب جپتے ہیں نام اُس کا

آنکھوں کو بھی دِکھلا دے، آنا لبِ بام اُس کا
کانوں میں بھی رس گھولے، ہر گام خِرام اُس کا

خیرات ہو مجھ کو بھی اک جلوۂ عام اُس کا
پھر یوں ہو کہ ہو دل پر اِلہام کلام اُس کا

اُس بام سے نور اُترے، نغمات میں ڈھل ڈھل کر
نغموں سے اُٹھے خوشبو، ہو جائے سرود عنبر

کلام طاہر ایڈیشن 2004ء صفحہ 1-3

اداریہ

کتاب تعلیم کی تیاری

قسط 28

اس عنوان کے تحت درج ذیل تین عناوین پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات اکٹھے کئے جا رہے ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے کیا فرائض ہیں؟
2۔نفس کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟
3۔ بنی نوع کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں؟

اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے کیا فرائض ہیں

مومن جب توبہ کرتا ہے اور نفس کو پاک صاف کرتا ہے تو خوف ہوتا ہے کہ میں تو جہنم میں جا رہا ہوں کیونکہ تکالیف کا سامنا ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ اسے ہر طرح سے محفوظ رکھتا ہے یہ موت مختلف طریق سے مومنوں پر وارد ہوتی ہے کسی کو لڑائی سے کسی کو کسی طرح سے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے جنگ نہ کی تو آپ کو لڑکے کی قربانی کرنی پڑی۔ یہ بات قابل افسوس ہے کہ خدا پر امید رکھے اور ایک اور بھی حصہ دار ہو۔قرآن میں بھی لکھا ہے کہ حصہ سے خدا راضی نہیں ہوتا بلکہ فرماتا ہے کہ حصہ داری سے جو حصہ انہوں نے خدا کا کیا ہوتا ہے وہ بھی خدا انہی کا کر دیتا ہے کیونکہ غیرت احدیت حصہ داری کو پسند نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء باوجود غریب، یتیم اور بے کس اور بلا اسباب ہونے کہ اور پھر بموجب قانون دنیا کے بے ہنر ہونے کے آگے سے آگے قدم بڑھاتے ہیں اور یہ سب سے پہلا ثبوت خدا کی خدائی کا ہے اسی لیے ان کے مخالف حیران ہو جاتے ہیں کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ جو شخص بڑا جاہل اور ان کے تقدس سے بے خبر ہوتا ہے وہ بھی کم از کم ان کی دانائی کا قائل ہوتا ہے جیسے عیسائی لوگ آنحضرت کی پیشگوئیاں پوری ہوتی دیکھ کر کہتے ہیں کہ وہ بہت دانا آدمی تھا۔

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 165 تا 166، ایڈیشن 2016ء)

انسان کو صرف پنجگانہ نماز اور روزوں وغیرہ وغیرہ احکام کی ظاہری بجا آوری پر ہی ناز نہیں کرنا چاہئے۔ نماز پڑھنی تھی پڑھ لی، روزے رکھنے تھے رکھ لیے، زکوۃ دینی تھی دے دی وغیرہ وغیرہ مگر نوافل ہمیشہ نیک اعمال کے متمم و مکمّل ہوتے ہیں اور یہی ترقیات کا موجب ہوتا ہے۔مومن کی تعریف یہ ہے کہ خیرات وصدقہ وغیرہ جو خدا نے اس پر فرض ٹھہرایا ہے بجالاوے اور ہر ایک کار خیر کے کرنے میں اس کو ذاتی محبت ہو اور کسی تصنع و نمائش وریا کو اس میں دخل نہ ہو۔ یہ حالت مومن کی اس کے سچے اخلاص اور تعلق کو ظاہر کرتی ہے اور ایک سچا اور مضبوط رشتہ اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیدا کر دیتی ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اُس کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے اور اس کے کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ کام کرتا ہے۔ الغرض ہر ایک فعل اُس کا اور ہر ایک حرکت وسکون اس کا اللہ ہی کا ہوتا ہے۔ اس وقت جو اس سے دشمنی کرتا ہے وہ خدا سے دشمنی کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے کہ میں کسی بات میں اس قدر تردد نہیں کرتا جس قدر کہ اس کی موت میں۔

قرآن شریف میں لکھا ہے کہ مومن اور غیر مومن میں ہمیشہ فرق رکھ دیا جاتا ہے۔ غلام کو چاہئے کہ ہر وقت رضاالٰہی کو ماننے اور ہر ایک رضا کے سامنے سرتسلیم خم کرنے میں دریغ نہ کرے۔ کون ہے جو عبودیت سے انکار کر کے خدا کو اپنا محکوم بنانا چاہتا ہے؟

تعلقات الٰہی ہمیشہ پاک بندوں سے ہوا کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤى (النجم: 38) لوگوں پر جو احسان کرے ہر گز نہ جتلاوے۔ جو ابراہیم کے صفات رکھتا ہے ابراہیم بن سکتا ہے۔ ہر ایک گناہ بخشنے کے قابل ہے مگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کو معبود و کارساز جاننا ایک ناقابل عفو گناہ ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان: 14)، لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ (النساء:49) یہاں شرک سے یہی مراد نہیں کہ پتھروں وغیرہ کی پرستش کی جاوے بلکہ یہ ایک شرک ہے کہ اسباب کی پرستش کی جاوے اور معبودات دنیا پر زور دیا جاوے اسی کا نام ہی شرک ہے اور معاصی کی مثال تو حُقہ کی سی ہے کہ اس کے چھوڑ دینے سے کوئی دقت و مشکل کی بات نظر نہیں آتی مگر شرک کی مثال افیم کی ہے کہ وہ عادت ہو جاتی ہے جس کا چھوڑنا محال ہے۔بعض کا یہ خیال بھی ہو گا کہ انقطاع الی اللہ کر کے تباہ ہو جاویں؟ مگر یہ سراسر شیطانی وسوسہ ہے۔ اللہ کی راہ میں برباد ہونا آباد ہونا ہے۔ اس کی راہ میں مارا جانا زندہ ہونا ہے۔ کیا دنیا میں ایسی کم مثالیں اور نظیریں ہیں کہ جو لوگ اس کی راہ میں قتل کئے گئے ہلاک کئے گئے۔ ان کے زندہ جاوید ہونے کا ثبوت ذرہ ذرہ زمین میں ملتا ہے۔حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہی دیکھ لو کہ سب سے زیادہ اللہ کی راہ میں برباد کیا اور سب سے زیادہ دیا گیا۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں پہلا خلیفہ حضرت ابو بکر ہی ہوا۔

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 173 تا 174، ایڈیشن 2016ء)

خدا کا منشاء ہے کہ انسان توبہ نصوح کرے اور دعا کرے کہ اس سے گناہ سرزد نہ ہو۔ نہ آخرت میں رسوا ہو نہ دنیا میں۔

جب تک انسان سمجھ کر بات نہ کرے اور تذلّل اس میں نہ ہو تو خدا تک وہ بات نہیں پہنچتی۔صوفیوں نے لکھا ہے کہ اگر چالیس دن گزر جاویں اور خدا کی راہ میں رونا نہ آوے تو دل سخت ہو جاتا ہے تو سختی قلب کا کفارہ یہی ہے کہ انسان رو دے۔ اس کے لیے محرکات ہوتے ہیں انسان نظر ڈال کر دیکھے کہ اس نے کیا بنایا ہے اور اس کی عمر کا کیا حال ہے۔ دیگر گزشتگان پر نظر ڈالے پھر انسان کا دل لرزاں و ترساں ہوتا ہے۔

جو شخص دعویٰ سے کہتا ہے کہ میں گناہ سے بچتا ہوں وہ جھوٹا ہے جہاں شیرینی ہوتی ہے وہاں چیونٹیاں ضرور آتی ہیں اسی طرح نفس کے تقاضے تو ساتھ لگے ہی ہیں ان سے نجات کیا ہو سکتی ہے؟ خدا کے فضل اور رحمت کا ہاتھ نہ ہو تو انسان گناہ سے نہیں بچ سکتا نہ کوئی نبی نہ ولی اور نہ ان کے لیے یہ فخر کا مقام ہے کہ ہم سے گناہ سرزد نہیں ہوتا بلکہ وہ ہمیشہ خدا کا فضل مانگتے ہیں اور نبیوں کے استغفار کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ خدا کے فضل کا ہاتھ ان پر رہے ورنہ اگر انسان اپنے نفس پر چھوڑ جاوے تو وہ ہر گز معصوم اور محفوظ نہیں ہو سکتا اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ خَطَایَایَ اور دوسری دعائیں بھی استغفار کے اس مطلب کو بتلاتی ہیں۔عبودیت کا سِرّ یہی ہے کہ انسان خدا کی پناہ کے نیچے اپنے آپ کو لے آوے جو خدا کی پناہ نہیں چاہتا وہ مغرور اور متکبر ہے۔

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 176 تا 177، ایڈیشن 2016ء)

نفس کے ہم پر کیا حقوق ہیں

اگر اسی قدر مقصود ہوتا جو بعض لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ موٹی موٹی بدیوں سے پرہیز کرنا ہی کمال ہے تو اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی دعا تعلیم نہ ہوتی جس کا انتہائی اور آخری مرتبہ اور مقام خدا تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا اتنا ہی تو کمال نہ تھا۔ کہ وہ چوری چکاری نہ کیا کرتے تھے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی محبت، صدق، وفا میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ پس اس دعا کی تعلیم سے یہ سکھایا کہ نیکی اور انعام ایک الگ شیئ ہے۔ جب تک انسان اُسے حاصل نہیں کرتا۔ اس وقت تک وہ نیک اور صالح نہیں کہلا سکتا اور منعم علیہ کے زمرہ میں نہیں آتا۔ اس سے آگے فرمایا غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ اس مطلب کو قرآن شریف نے دوسرے مقام پر یوں فرمایا ہے کہ مومن کے نفس کی تکمیل دو شربتوں کے پینے سے ہوتی ہے ایک شربت کا نام کافوری ہے اور دوسرے کا نام زنجبیلی ہے کافوری شربت تو یہ ہے کہ اس کے پینے سے نفس بالکل ٹھنڈا ہو جاوے اور بدیوں کے لئے کسی قسم کی حرارت اس میں محسوس نہ ہو۔جس طرح پر کافور میں یہ خلاصہ ہوتا ہے کہ وہ زہریلے مواد کو دبا دیتا ہے اسی لئے اُسے کافور کہتے ہیں۔ اسی طرح پر یہ کافوری شربت گناہ اور بدی کی زہر کو دبا دیتا ہے اور وہ موادِ ردّیہ جو اُٹھ کر انسان کی روح کو ہلاک کرتے ہیں اُن کو اُٹھنے نہیں دیتا بلکہ بے اثر کر دیتا ہے۔ دوسرا شربت شربت زنجبیلی ہے جس کے ذریعہ سے انسان میں نیکیوں کے لئے ایک قوت اور طاقت آتی ہے اور پھر حرارت پیدا ہوتی ہے۔ پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ تو اصل مقصد اور غرض ہے یہ گویا زنجبیلی شربت ہے۔ اور غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کافوری شربت ہے۔

اب ایک اَور مشکل ہے کہ انسان موٹی موٹی بدیوں کو تو آسانی سے چھوڑ بھی دیتا ہے لیکن بعض بدیاں ایسی باریک اور مخفی ہوتی ہیں کہ اوّل تو انسان مشکل سے انہیں معلوم کرتا ہے اور پھر ان کا چھوڑنا اُسے بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ محرقہ بھی گو سخت تپ ہے مگر اس کا علاج کُھلا کُھلا ہو سکتا ہے لیکن تپ دق جو اندر ہی کھا رہا ہے اس کا علاج بہت ہی مشکل ہے۔ اسی طرح پر یہ باریک اور مخفی بدیاں ہوتی ہیں جو انسان کو فضائل کے حاصل کرنے سے روکتی ہیں۔ یہ اخلاقی بدیاں ہوتی ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ میل ملاپ اور معاملات میں پیش آتی ہیں اور ذرا ذرا سی بات اور اختلاف رائے پر دلوں میں بغض، کینہ، حسد، ریا، تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے بھائی کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ چند روز اگر نماز سنوار کر پڑھی ہے اور لوگوں نے تعریف کی تو ریا اور نمود پیدا ہو گیا اور وہ اصل غرض جو اخلاص تھی جاتی رہی۔ اور اگر خدا تعالیٰ نے دولت دی ہے یا علم دیا ہے یا کوئی خاندانی وجاہت حاصل ہے تو اس کی وجہ سے اپنے دوسرے بھائی کو جس کو یہ باتیں نہیں ملی ہیں، حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے۔ اور اپنے بھائی کی

عیب چینی کے لئے حریص ہوتا ہے۔ اور تکبّر مختلف رنگوں میں ہوتا ہے۔ کسی میں کسی رنگ میں اور کسی میں کسی طرح سے۔ علماءعلم کے رنگ میں اُسے ظاہر کرتے ہیں اور علمی طور پر نکتہ چینی کر کے اپنے بھائی کو گرانا چاہتے ہیں۔غرض کسی نہ کسی طرح عیب چینی کر کے اپنے بھائی کو ذلیل کرنا اور نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ رات دن اس کے عیبوں کی تلاش میں رہتے ہیں اس قسم کی باریک بدیاں ہوتی ہیں۔جن کا دور کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور شریعت ان باتوں کو جائز نہیں رکھتی ہے۔ ان بدیوں میں عوام ہی مبتلا نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ جو متعارف اور موٹی موٹی بدیاں نہیں کرتے ہیں اور خواص سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اکثر مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان سے خلاصی پانا اور مرنا ایک ہی بات ہے۔ اور جب تک ان بدیوں سے نجات حاصل نہ کر لے۔ تزکیہ نفس کامل طور پر نہیں ہوتا اور انسان ان کمالات اور انعامات کا وارث نہیں بنتا جو تزکیہ نفس کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔بعض لوگ اپنی جگہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان اخلاقی بدیوں سے ہم نے خلاصی پا لی ہے۔ لیکن جب کبھی موقعہ آ پڑتا ہے اور کسی سفیہ سے مقابلہ ہو جاوے تو انہیں بڑا جوش آتا ہے اور پھر وہ گند ان سے ظاہر ہوتا ہے جس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس وقت پتہ لگتا ہے کہ ابھی کچھ بھی حاصل نہیں کیا اور وہ تزکیہ نفس جو کامل کرتا ہے میسّر نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تزکیہ جس کو اخلاقی تزکیہ کہتے ہیں بہت ہی مشکل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس فضل کے جذب کرنے کے لئے بھی وہی تین پہلو ہیں۔ اوّل مجاہدہ اور تدبیر۔ دوّم دُعا۔سوّم صحبت صادقین۔

یہ فضل الٰہی انبیاء علیہم السّلام پر بدرجہ کمال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اوّل اُن کا تزکیہ اخلاقی کامل طور پر خود کر دیتا ہے۔ ان میں بد اخلاقیوں اور رذائل کی آلائش رہ ہی نہیں جاتی۔ ان کی حالت تو یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ سلطنت پا کر بھی وہ فقیر ہی رہتے ہیں۔ اور کسی قسم کا کبر ان کے پاس نہیں آتا۔

درحقیقت یہ گند جو نفس کے جذبات کا ہے اور بد اخلاقی۔ کبر۔ ریا وغیرہ صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے اس پر موت نہیں آتی جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہو اور یہ مواد ردّیہ جل نہیں سکتے۔ جب تک معرفت کی آگ اُن کو نہ جلائے۔جس میں یہ معرفت کی آگ پیدا ہو جاتی ہے وہ ان اخلاقی کمزوریوں سے پاک ہونے لگتا ہے اور بڑا ہو کر بھی اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے اور اپنی ہستی کو کچھ حقیقت نہیں پاتا۔ وہ اس نور اور روشنی کو جو انوار معرفت سے اُسے ملتی ہے اپنی کسی قابلیت اور خوبی کا نتیجہ نہیں مانتا اور نہ اسے اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ وہ اُسے خدا تعالیٰ ہی کا فضل اور رحم یقین کرتا ہے جیسے ایک دیوار پر آفتاب کی روشنی اور دھوپ پڑ کر اُسے منور کر دیتی ہے لیکن دیوار اپنا کوئی فخر نہیں کرسکتی کہ یہ روشنی میری قابلیت کی وجہ سے ہے۔ یہ ایک دوسری بات ہے کہ جس قدّر وہ دیوار صاف ہو گی اسی قدر روشنی زیادہ صاف ہو گی۔ لیکن کسی حال میں دیوار کی ذاتی قابلیت اس روشنی کے لئے کوئی نہیں بلکہ اس کا فخر آفتاب کو ہے اور ایسا ہی وہ آفتاب کو یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ تو اس روشنی کو اُٹھا لے۔ اسی طرح پر انبیاء علیہم السلام کے نفوس صافیہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فیضان اور فیوض سے معرفت کے انوار ان پر پڑتے ہیں اور ان کو روشن کر دیتے ہیں اسی لئے وہ ذاتی طور پر کوئی دعویٰ نہیں کرتے بلکہ ہر ایک فیض کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہی سچ بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اعمال سے داخل جنت ہوں گے تو یہی فرمایا کہ ہرگز نہیں خدا تعالیٰ کے فضل سے۔ انبیاء علیہم السلام کبھی کسی قوت اور طاقت کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے وہ خدا ہی سے پاتے ہیں اور اسی کا نام لیتے ہیں۔

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 272 تا 275، ایڈیشن 1984ء)

پس سچی معرفت اسی کا نام ہے کہ انسان اپنے نفس کو مسلوب اور لاشئی محض سمجھے۔ اور آستانہ الوہیت پر گر کر انکسار اور عجز کے ساتھ خدا تعالیٰ کے فضل کو طلب کرے۔ اور اس نور معرفت کو مانگے جو جذباتِ نفس کو جلا دیتا ہے اور اندر ایک روشنی اور نیکیوں کے لئے قوت اور حرارت پیدا کرتا ہے۔ پھر اگر اس کے فضل سے اس کو حصہ مل جاوے اور کسی وقت کسی قسم کا بسط اور شرح صدر حاصل ہو جاوے تو اس پر تکبّر اور ناز نہ کرے بلکہ اس کی فروتنی اور انکسار میں اَور بھی ترقی ہو۔ کیونکہ جس قدر وہ اپنے آپ کو لاشئی سمجھے گا اسی قدر کیفیات اور انوار خدا تعالیٰ سے اُتریں گے جو اس کو روشنی اور قوت پہنچائیں گے۔ اگر انسان یہ عقیدہ رکھے گا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُس کی اخلاقی حالت عمدہ ہو جائے گی۔ دنیا میں اپنے آپ کو کچھ سمجھنا بھی تکبّر ہے اور یہی حالت بنا دیتا ہے۔ پھر انسان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ دوسرے پر لعنت کرتا ہے اور اُسے حقیر سمجھتا ہے۔

میں یہ سب باتیں بار بار اس لئے کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جو اس جماعت کو بنانا چاہا ہے تو اس سے یہی غرض رکھی ہے کہ وہ حقیقی معرفت جو دنیا میں گُم ہو چکی ہے اور وہ حقیقی تقویٰ و طہارت جو اس زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔ اسے دوبارہ قائم کرے۔

عام طور پر تکبّر دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ علماء اپنے علم کی شیخی اور تکبّر میں گرفتار ہیں۔فقراء کو دیکھو تو ان کی بھی حالت اور ہی قسم کی ہو رہی ہے۔ ان کو اصلاح نفس سے کوئی کام ہی نہیں رہا۔ ان کی غرض و غایت صرف جسم تک محدود ہے۔ اس لئے اُن کے مجاہدے اور ریاضتیں بھی کچھ اور ہی قسم کی ہیں جیسے ذکر ارّہ وغیرہ جن کا چشمہ نبوت سے پتہ نہیں چلتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ دل کو پاک کرنے کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں۔ صرف جسم ہی جسم باقی رہا ہوا ہے۔جس میں رُوحانیت کا کوئی نام و نشان نہیں۔ یہ مجاہدے دل کو پاک نہیں کر سکتے اور نہ کوئی حقیقی نور معرفت کا بخش سکتے ہیں پس یہ زمانہ اب بالکل خالی ہے۔ نبوی طریق جیسا کہ کرنے کا تھا وہ بالکل ترک کر دیا گیا ہے اور اس کو بھُلا دیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ عہد نبوت پھر آ جاوے اور تقویٰ اور طہارت پھر قائم ہو۔ اور اس کو اس نے اس جماعت کے ذریعہ چاہا ہے۔

پس فرض ہے کہ حقیقی اصلاح کی طرف تم توجہ کرو اسی طرح پر جس طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اصلاح کا طریق بتایا ہے۔

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 277 تا 278، ایڈیشن 1984ء)

بنی نوع کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں

شریعت کے دو پہلُو:

شریعت کے دو ہی بڑے حصّے اور پہلو ہیں جن کی حفاظت انسان کو ضروری ہے۔ ایک حق اللہ، دوسرے حق العباد۔حق اللہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبّت اس کی اطاعت، عبادت، توحید، ذات اور صفات میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرنا۔ اور حق العباد یہ ہے کہ اپنے بھائیوں سے تکبّر، خیانت اور ظُلم کسی نوع کا نہ کیا جاوے۔ گویا اخلاقی حصہ میں کسی قسم کا فتور نہ ہو۔ سننے میں تو یہ دو ہی فقرے ہیں لیکن عمل کرنے میں بہت ہی مشکل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل انسان پر ہو تو وہ ان دونوں پہلوؤں پر قائم ہوسکتا ہے کسی میں قوتِ غضبی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جب وہ جوش مارتی ہے تو نہ اس کا دل پاک رہ سکتا ہے اور نہ زبان۔ دل سے اپنے بھائی کے خلاف ناپاک منصوبے کرتا ہے اور زبان سے گالی دیتا ہے۔ اور پھر کینہ پیدا کرتا ہے۔ کسی میں قوت شہوت غالب ہوتی ہے اور وہ اس میں گرفتار ہو کر حدود اللہ کو توڑتا ہے۔غرض جب تک انسان کی اخلاقی حالت بالکل درست نہ ہو وہ کامل الایمان جو منعم علیہ گروہ میں داخل کرتا ہے اور جس کے ذریعہ سچی معرفت کا نور پیدا ہوتا ہے اس میں داخل نہیں ہوسکتا۔ پس دن رات یہی کوشش ہونی چاہئے کہ بعد اس کے جو انسان سچا موحد ہو اپنے اخلاق کو درست کرے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت اخلاقی حالت بہت ہی گری ہوئی ہے۔ اکثر لوگوں میں بدظنّی کا مرض بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اپنے بھائی سے نیک ظنّی نہیں رکھتے اور ادنیٰ ادنیٰ سی بات پر اپنے دوسرے بھائی کی نسبت بُرے بُرے خیالات کرنے لگتے ہیں اور ایسے عیوب اس کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں کہ اگر وہی عیب اس کی طرف منسوب ہوں تو اس کو سخت ناگوار معلوم ہو۔ اس لئے اوّل ضروری ہے کہ حتی الوسع اپنے بھائیوں پر بدظنّی نہ کی جاوے اور ہمیشہ نیک ظن رکھا جاوے کیونکہ اس سے محبت بڑھتی ہے اور انس پیدا ہوتا ہے اور آپس میں قوت پیدا ہوتی ہے اور اس کے باعث انسان بعض دوسرے عیوب مثلاً کینہ۔بغض۔حسد وغیرہ سے بچا رہتا ہے پھر میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے ہیں جن میں اپنے بھائیوں کے لئے کچھ بھی ہمدردی نہیں۔ اگر ایک بھائی بھُوکا مرتا ہو تو دوسرا توجہ نہیں کرتا اور اس کی خبر گیری کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ یا اگر وہ کسی اور قسم کی مشکلات میں ہے تو اتنا نہیں کرتے کہ اس کے لئے اپنے مال کا کوئی حصہ خرچ کریں۔ حدیث شریف میں ہمسایہ کی خبر گیری اور اس کے ساتھ ہمدردی کا حکم آیا ہے۔ بلکہ یہانتک بھی ہے کہ اگر تم گوشت پکاؤ تو شوربا زیادہ کر لو تا کہ اُسے بھی دے سکو۔ اب کیا ہوتا ہے اپنا ہی پیٹ پالتے ہیں۔ لیکن اس کی کچھ پروا نہیں۔ یہ مت سمجھو کہ ہمسایہ سے اتنا ہی مطلب ہے جو گھر کے پاس رہتا ہو۔ بلکہ جو تمہارے بھائی ہیں وہ بھی ہمسایہ ہی ہیں خواہ وہ سو کوس کے فاصلے پر بھی ہوں۔

ہر شخص کو ہر روز اپنا مطالعہ کرنا چاہئے کہ وہ کہانتک ان امور کی پروا کرتا ہے اور کہانتک وہ اپنے بھائیوں سے ہمدردی اور سلوک کرتا ہے۔ اس کا بڑا بھاری مطالبہ انسان کے ذمہ ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ کہے گا کہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ میں پیاسا تھا اور تو نے مجھے پانی نہ دیا۔ میں بیمار تھا۔تم نے میری عیادت نہ کی۔جن لوگوں سے یہ سوال ہو گا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے ربّ تو کب بھُوکا تھا جو ہم نے کھانا نہ دیا۔ تو کب پیاسا تھا جو پانی نہ دیا اور تو کب بیمار تھا جو تیری عیادت نہ کی۔ پھر خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ جو ہے وہ ان باتوں کا محتاج تھا مگر تم نے اس کی کوئی ہمدردی نہ کی۔ اس کی ہمدردی میری ہی ہمدردی تھی ایسا ہی ایک اَور جماعت کو کہیگا کہ شاباش! تم نے میری ہمدردی کی۔ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی

پلایا وغیرہ۔ وہ جماعت عرض کرے گی کہ اے ہمارے خدا ہم نے کب تیرے ساتھ ایسا کیا؟ تب اللہ تعالیٰ جواب دے گا کہ میرے فلاں بندہ کے ساتھ جو تم نے ہمدردی کی وہ میری ہی ہمدردی تھی۔ دراصل خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرنا بہت ہی بڑی بات ہے اور خدا تعالیٰ اس کو بہت پسند کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اَور کیا ہوگا کہ وہ اس سے اپنی ہمدردی ظاہر کرتا ہے۔ عام طور پر دنیا میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کا خادم کسی اس کے دوست کے پاس جاوے اور وہ شخص اس کی خبر بھی نہ لے تو کیا وہ آقا جس کا کہ وہ خادم ہے اس اپنے دوست سے خوش ہوگا؟ کبھی نہیں۔ حالانکہ اس کو تو کوئی تکلیف اس نے نہیں دی۔ مگر نہیں۔ اس نوکر کی خدمت اور کے ساتھ حسن سلوک گویا مالک کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ خدا تعالیٰ کو بھی اس طرح پر اس بات کی چِڑ ہے کہ کوئی اس کی مخلوق سے سرد مہری برتے۔ کیونکہ اس کو اپنی مخلوق بہت پیاری ہے۔ پس جو شخص خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے وہ گویا اپنے خدا کو راضی کرتا ہے۔

غرض اخلاق ہی ساری ترقیات کا زینہ ہے۔ میری دانست میں یہی پہلو حقوق العباد کا ہے جو حقوق اللہ کے پہلو کو تقویت دیتا ہے۔ جو شخص نوع انسان کے ساتھ اخلاق سے پیش آتا ہے خدا تعالیٰ اس کے ایمان کو ضائع نہیں کرتا۔ جب انسان خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک کام کرتا ہے اور اپنے ضعیف بھائی کی ہمدردی کرتا ہے تو اس اخلاص سے اس کا ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نمائش اور نمود کے لئے جو اخلاق برتے جائیں وہ اخلاق خدا تعالیٰ کے لئے نہیں ہوتے اور ان میں اخلاص کے نہ ہونے کی وجہ سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس طرح پر تو بہت سے لوگ سرائیں وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ ان کی اصل غرض شہرت ہوتی ہے۔ اور اگر انسان خدا تعالیٰ کے لئے کوئی فعل کرے تو خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اُسے ضائع نہیں کرتا اور اس کا بدلہ دیتا ہے۔ میں نے تذکرۃ الاولیاء میں پڑھا ہے کہ ایک ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بارش ہوئی اور کئی روز تک رہی۔ ان بارش کے دنوں میں مَیں نے دیکھا کہ ایک اسی برس کا بوڑھا گبر ہے جو کوٹھے پر چڑیوں کے لئے دانے ڈال رہا ہے۔ میں نے اس خیال سے کہ کافر کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں اس سے کہا کہ کیا تیرے اس عمل سے تجھے کچھ ثواب ہوگا؟ اس گبر نے جواب دیا کہ ہاں ضرور ہوگا۔ پھر وہی ولی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جو میں حج کو گیا تو دیکھا کہ وہی گبر طواف کر رہا ہے۔ اس گبر نے مجھے پہچان لیا اور کہا کہ دیکھو ان دانوں کا مجھے ثواب مل گیا یا نہیں؟ یعنی وہی دانے میرے اسلام تک لانے کا موجب ہو گئے۔

حدیث میں بھی ذکر آیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایام جاہلیت میں مَیں نے بہت خرچ کیا تھا۔ کیا اس کا ثواب بھی مجھے ہوگا؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواب دیا کہ یہ اسی صدقہ وخیرات کا ثمرہ تو ہے کہ تو مسلمان ہو گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کے ادنیٰ فعل اخلاص کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مخلوق کی ہمدری اور خبر گیری حقوق اللہ کی حفاظت کا باعث ہو جاتی ہے۔

پس مخلوق کی ہمدردی ایک ایسی شئے ہے کہ اگر انسان اُسے چھوڑ دے اور اس سے دور ہوتا جاوے تو رفتہ رفتہ پھر وہ درندہ ہو جاتا ہے۔ انسان کی انسانیت کا یہی تقاضا ہے اور وہ اسی وقت تک انسان ہے جب تک اپنے دوسرے بھائی کے ساتھ مروّت، سلوک اور احسان سے کام لیتا ہے اور اس میں کسی قسم کی تفریق نہیں ہے جیسا کے سعدی نے کہا ہے

؎ بنی آدم اعضائے یک دیگر اند

یاد رکھو ہمدردی کا دائرہ میرے نزدیک بہت وسیع ہے۔ کسی قوم اور فرد کو الگ نہ کرے۔ میں آج کل کے جاہلوں کی طرح یہ نہیں کہنا چاہتا کہ تم اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں سے ہی مخصوص کرو۔ نہیں، میں کہتا ہوں کہ تم خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق سے ہمدردی کرو۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ ہندو ہو یا مسلمان یا کوئی اَور۔ میں کبھی ایسے لوگوں کی باتیں پسند نہیں کرتا جو ہمدردی کو صرف اپنی ہی قوم سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں بعض اس قسم کے خیالات بھی رکھتے ہیں کہ اگر ایک شیرے کے مٹکے میں ہاتھ ڈالا جاوے اور پھر اس کو تلوں میں ڈال کر تِل لگائے جاویں تو جس قدر تِل اس کو لگ جاویں۔ اس قدر دھوکا اور فریب دوسرے لوگوں کو دے سکتے ہیں۔ ان کی ایسی بے ہودہ اور خیالی باتوں نے بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے اور اُن کو قریباً وحشی اور درندہ بنا دیا ہے۔ مگر میں تمہیں بار بار یہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم ہرگز ہرگز اپنی ہمدردی کے دائرہ کو محدود نہ کرو۔ اور ہمدردی کے لئے اس تعلیم کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے یعنی اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی (النحل:91)۔ یعنی اول نیکی کرنے میں تم عدل کو ملحوظ رکھو۔ جو شخص تم سے نیکی کرے تم بھی اس کے ساتھ نیکی کرو۔

اور پھر دوسرا درجہ یہ ہے کہ تم اس سے بھی بڑھ کر اس سے سلوک کرو۔ یہ احسان ہے۔ احسان کا درجہ اگرچہ عدل سے بڑھا ہو ہے اور یہ بڑی بھاری نیکی ہے لیکن کبھی نہ کبھی ممکن ہے احسان والا اپنا احسان جتلاوے مگر ان سب سے بڑھ کر ایک درجہ ہے کہ انسان ایسے طور پر نیکی کرے جو محبت ذاتی کے رنگ میں ہو جس میں احسان نمائی کا بھی کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے جیسے ماں اپنے بچہ کی پرورش کرتی ہے وہ اس پرورش میں کسی اجر اور صلے کی خواستگار نہیں ہوتی بلکہ ایک طبعی جوش ہوتا ہے جو بچے کے لئے اپنے سارے سُکھ اور آرام قربان کر دیتی ہے یہاںتک کہ اگر کوئی بادشاہ کسی ماں کو حکم دیدے کہ تو اپنے بچہ کو دودھ مت پلا اور اگر ایسا کرنے سے بچہ ضائع بھی ہو جاوے تو اس کو کوئی سزا نہیں ہو گی تو کیا ماں ایسا حکم سُنکر خوش ہو گی؟ اور اس کی تعمیل کرے گی؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تو اپنے دل میں ایسے بادشاہ کو کوسے گی کہ کیوں اس نے ایسا حکم دیا۔ پس اس طریق پر نیکی ہو کہ اسے طبعی مرتبہ تک پہنچایا جاوے۔ کیونکہ جب کوئی شئے ترقی کرتے کرتے اپنے طبعی کمال تک پہنچ جاتی ہے اس وقت وہ کامل ہوتی ہے۔

یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ نیکی کو بہت پسند کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کی مخلوق سے ہمدردی کی جاوے۔ اگر وہ بدی کو پسند کرتا تو بدی کی تاکید کرتا مگر اللہ تعالیٰ کی شان اس سے پاک ہے (سبحانہ تعالیٰ شانہٗ)

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 278 تا 284، ایڈیشن 1984ء)

(ترتیب و کمپوزنگ: خاقان احمد صائم وفضلِ عمر شاہد۔لٹویا)

آج کی دعا

رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ٭ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ

(ابراہیم:41)

ترجمہ: اے میرے ربّ! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری نسلوں کو بھی۔ اے ہمارے ربّ! اور میری دعا قبول کر۔

یہ قرآن مجید میں مذکور حضرت ابراہیمؑ کی نسلا بعد نسل نماز پر قائم رہنے کی عظیم الشان دعا ہے۔

حضرت اقدس مرزا غلام احمد مسیحِ موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نماز کی اہمیت وفضیلت اور اس کی فلاسفی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

’’جب تک دل فروتنی کا سجدہ نہ کرے، صرف ظاہری سجدوں پر امید رکھنا طمعٔ خام ہے۔ جیسا کہ قربانیوں کا خون اور گوشت خدا تک نہیں پہنچتا صرف تقویٰ پہنچتا ہے ایسا ہی جسمانی رکوع وسجود بھی ہیچ ہیں جب تک دل کا رکوع وسجود وقیام نہ ہو۔ دل کا قیام یہ ہے کہ اس کے حکموں پر قائم ہو۔ اور رکوع یہ کہ اس کی طرف جھکے۔ اور سجود یہ کہ اس کے لئے اپنے وجود سے دست بردار ہو۔

(شہادت القرآن، روحانی خزائن جلد 6، صفحہ: 398)

ہمارے پیارے امام عالی مقام سیّدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جماعت کو مسلسل قیام نماز کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں

ہر نیکی کی طرح نمازیں پڑھنے کی یہ توفیق بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ملتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم میں ہمیں ایسی دعا سکھائی جو نہ صرف ہمارے لئے بلکہ ہماری نسلوں کے لئے بھی ہے۔ اور جب نسلاً بعدنسلٍ جب یہ دعا مانگی جاتی رہے گی تو اللہ تعالیٰ اپنی اس دعا کے طفیل جو اس نے ہمیں سکھائی ہے عبادت کرنے والے بھی پیدا فرماتا چلا جائے گا۔ فرماتا ہے کہ رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ٭ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ (ابراھیم:41) اے میرے ربّ مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری نسلوں کو بھی۔ اے ہمارے ربّ اور میری دعا قبول کر۔

(خطبہ جمعہ 29 ستمبر 2006ء، خطباتِ مسرور جلد 4 صفحہ:493)

مرسلہ: مریم رحمٰن

ڈاکٹر فضل الرحمن بشیر۔ موروگورو، تنزانیہ

یونانی فلسفے کے مسلمان مفکرین پر گہرے اثرات اور نظریۂ وحدت الوجود کا تدریجی ارتقاء

(قسط دوم)

افلاطون نے اپنی جس تھیوری کا آغاز غیر حسی دنیا سے شروع کر کے اسے مادی دنیا سے جوڑنے کی کوشش کی ارسطو نے اسے مادی یعنی حقیقی دنیا سے شروع کر کے مابعد الطبیعاتی دنیا تک پہنچایا۔ اٹلی کے شہر ویٹیکن میں پڑی Raphael کی ایک پینٹنگ اس کی بہترین عکاسی کرتی ہے جس میں افلاطون اپنی انگلی کے اشارے سے ہر چیز کا ماخذ غیر حسی دنیا کو قرار دیتا ہے جبکہ ارسطو اپنے ہاتھ کے اشارے سے اس مادی دنیا کو حقیقت قرار دیتا ہے۔

فلاطینوس (Plotinus) کا نظریۂ وحدت الوجود

تیسری صدی عیسوی کا عیسائی مفکر فلاطینوس (جو مصر میں پیدا ہوا) مغربی تصور وحدت الوجود کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ فلاطینوس کو افلاطون اور ارسطو کے بعدسب سے اہم فلاسفر مانا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر فلاطینوس افلاطون سے متاثر تھا اور اسی کے نظریات کی بنیاد پر اس نے اپنا فلسفہ پیش کیا جسے Neoplatonism کا نام دیا گیا۔ اس کا تمام فلسفہ اس کے شاگرد Porphyry نے محفوظ کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ان تحریرات کو Enneads کہا جاتا ہے۔ فلاطینوس نے جو نظریہ پیش کیا اس نے خاص طور پر مسلم دنیا کے فکر و فلسفہ کو زہر آلود کیا۔ اس نے Emanation کو وحدت سے کثرت کی بنیاد قراد دیا جو اسلامی فلسفہ سے متضاد ہے۔ فلاطینوس کے نظریہ کے تین بنیادی اصول ہیں:

1-The Absolute One

2-The Intellect

3-The Soul

پہلے اصول کے مطابق وہ ذات جس سے کائنات کی ہر چیز ظہور پزیر ہوئی وہ واحد ہے یعنی کُلی واحد۔ اسے کسی بھی طور فکری احاطے میں نہیں لایا جا سکتا۔ نہ زمان و مکان کے حوالے سے اُس کی تعیین کی جا سکتی ہے وہ صرف واحد ہے اور ہر اچھائی کا منبع ہے۔ ہر چیز جو اس منبع سے نکلی ہے وہ بلا ارادہ ظہور پزیر ہوئی۔ بالکل اسی طرح جس طرح سورج سے کرنیں اور روشنی سورج کے ارادہ سے نہیں بلکہ از خود نکلتی ہے یا جیسے ایک برتن جب لبالب بھر جاتا ہے تو اس میں سے جو مائع چیز برتن میں ہوتی ہے باہر چھلکنے لگتی ہے۔ اس میں برتن کا کوئی ارادہ شامل نہیں ہوتا۔ اس نظریے کو Emanation Theory یا نظریہ فیضان کا نام دیا گیا ہے۔ یہ نظریہ اسلامی تعلیم کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام کی تعلیم کے مطابق ہر چیز خدا کی مرضی اور ارادہ سے ظہور میں آئی ہے اور یہ خدا کی صفت خالقیت کی مظہر ہے۔ Emanation کا فلسفہ خدا کے بالارادہ خالق ہونے سے انکار ہے۔

فلاطینوس کے مطابق وہ پہلی چیز جو Absolute One سے ظہور پزیر ہوئی وہ Intellect تھی یعنی عقل کل۔ Absolute One کے برعکس عقل کل میں سوچنے، سمجھنے اور بالارادہ Productivity کی صلاحیت تھی۔ اس کے اندر وہ تمام خاکہ موجود تھا جس سے کائنات وجود میں آئی۔ یہ افلاطون کی تھیوری آف فارمز کی ایک واضح شکل تھی جو فلاطینوس نے پیش کی۔ اس عقل کل سے روح کی پیدائش ہوئی اور روح سے اجسام۔ فلاطینوس روح کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک بالائی روح اور ایک زیریں روح۔ بالائی روح اپنی اصلی اور حقیقی شکل میں موجود ہے جبکہ زیریں روح میں اچھائی اور برائی کی صلاحیت پائی جاتی ہے جس کا بالائی روح سے کوئی تعلق نہیں۔ جسم کے فنا ہونے کے بعد زیریں روح واپس اپنی بالائی روح میں جا کر ضم ہو جاتی ہے۔ اس طرح فلاطینوس نے روح کی ابدیت کا نظریہ پیش کیا۔

چوتھی صدی عیسوی کے عیسائی راہب St. Augustine نے نو افلاطونی فلسفے کا پرچار کرتے ہوئے اسے عیسائیت کے عقیدے سے قریب ترین قرار دیا۔ اس طرح نو افلاطونی فلسفہ عیسائی منادوں کے پسندیدہ فلسفے کے طور پر پروان چڑھا۔

ہندو فلاسفر آدی شنکر اچاریہ کا نظریہ وحدت الوجود

آٹھویں صدی عیسوی کے ہندو مفکر اور فلاسفر آدی شنکر اچاریہ (Adi Shankar Acharya) نے فلکیات اور الٰہیات پر بڑا کام کیا۔ اس نے ہندوؤں کی الہامی کتاب وید اور اس کے صحیفوں Upanishads, Bhagvad Gita اور Brahma Sutra کی تفاسیر لکھیں۔

خدا اور کائنات کے بارہ میں ہندوؤں کا قدیم عقیدہ اور فلسفہ Dvaita کہلاتا ہے جس کا مطلب ہے Dualism۔ یعنی خدا اور کائنات دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں اور دونوں ازلی اور ابدی ہیں۔ شنکر اچاریہ نے اس کے مقابل پر اپنا نظریہ Advaita پیش کیا جسے Non Dualism کہا جاتا ہے۔ اس کے مطابق خدا اور کائنات دو علیحدہ وجود نہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔ اس کائنات کو شنکر ایک دھوکا، وہم اور سراب قرار دیتا ہے اس نے کہا یہ سب مایا ہے۔ اور روح کی آخری منزل برہما میں ضم ہو جانا ہے کیونکہ وہ ایک ہی ہیں۔ شنکر اچاریا کے فلسفے کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

1. برہما حقیقت ہے۔

2. آتما (روح) برہما سے مختلف نہیں۔

3. دنیا مایا ہے (دھوکا)۔

درحقیقت شنکر کے فلسفہ Advita میں کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ یونانی اور نو افلاطونی فلسفے کو ایک اور زاویے سے پیش کرنے کا نام ہے۔

یونانی فلسفے کے مسلمان مفکرین اور صوفیاء پر اثرات

مسلم فلاسفرز اور یونانی مابعد الطبیعات

دوسری صدی ہجری کے آغاز میں یونانی فلسفہ کسی حد تک سریانی زبان سے ترجمہ ہو کر عرب علماء تک پہنچ چکا تھا اور وہ ارسطو اور افلاطون کے خیالات سے آگاہ ہو چکے تھے۔ مگر یونانی فلسفے کی اصل یلغار عباسی دور حکومت میں ہوئی جب عباسی خلفاء ہارون اور مامون الرشید نے یونانی، سریانی اور فارسی زبانوں سے کتابوں کے تراجم عربی زبان میں کروانے شروع کئے۔ اس دور کو اسلام کا عہد زریں کہا جاتا ہے۔ مامون الرشید نے اس پر عظیم الشان کام کیا اور 260ھ میں بغداد میں بیت الحکمت کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس میں بڑے مایہ ناز علماء کے سپرد تراجم کا کام کیا گیا۔ دو بڑے گروپ بنائے گئے۔ ان میں سے ایک حنین بن اسحاق اور دوسرا یعقوب الکندی کی سربراہی میں تراجم کا کام کرتا رہا۔ تمام بڑے علوم جن میں سائنس، فلسفہ، طب، فلکیات، الٰہیات اور دیگر علوم شامل تھے ان کے تراجم عربی زبان میں منتقل کئے گئے۔ الٰہیات ارسطو کا ترجمہ 266ھ میں ہوا جبکہ یہ ارسطو کی تصنیف ہی نہیں تھی بلکہ فلاطینوس (Plotinus) کے رسائل کی آخری تین کتابوں کا خلاصہ تھا جو Nemiah Amesvi نے لکھا۔ عربوں نے نو افلاطونی افکار کو ارسطو کی تعلیمات سمجھ کر قبول کر لیا۔ اس طرح فلاطینوس کے تصور الٰہیات کا پرچار ارسطو کے پردے میں ہوتا رہا۔

مسلمان مفکرین جنہیں قرآن مجید کی صورت میں علوم کے خزانے سے نوازا گیا تھا اور سنت رسول اور حدیث کے ذریعہ ان علوم کی تفسیر سے بہرہ ور کیا گیا بدقسمتی سے یونانی علوم کے سحر میں مبتلا ہو گئے۔ ممتاز اور مایہ ناز مسلمان فلسفی یعقوب الکندی، ابو نصر فارابی، ابن سینا اور ابن رُشد کی شکل میں یونانی فلسفے کو وہ وکیل میسر آئے جن کی مثال یونان میں

بھی نظر نہیں آتی۔ ان مسلمان مفکرین نے ارسطو کو وہ مقام دے دیا جو یونانی فلسفے میں شائد صرف واجب الوجود کو حاصل ہے۔ شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی پر بھی افلاطون اور فلاطینوس کے نظریات کا رنگ چڑھا اور نتیجتاً اُس نظریے نے جنم لیا جسے نظریۂ وحدت الوجود کے نام سے شہرت ملی۔ (ابن عربی کے عقیدت مند محققین اس بات سے قطعی منکر ہیں کہ ابن عربی کا نظریہ وحدت الوجود یونانی مفکرین کا چربہ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ابن عربی نے فصوص الحکم یا فتوحات مکیہ میں کہیں بھی افلاطون یا فلاطینوس کا ذکر تک نہیں کیا۔

معتزلہ

دوسری صدی ہجری کے شروع میں مسلمانوں میں عقلیت پسندی کی ایک تحریک شروع ہوئی جسے معتزلہ کا نام دیا گیا۔ اس کا بانی حضرت حسن بصری کا شاگرد واصل بن عطا تھا۔ اس گروہ نے علم کی بنیاد عقل اور وحی والہام کو قرار دیا مگر عقل کو الہام پر فوقیت دی اور کہا کہ خدا کی کوئی بات عقل کے خلاف نہیں ہوسکتی۔ ارسطو نے کہا تھا کہ خدا اور کائنات دونوں حقیقتیں ہیں اور ازلی اور ابدی ہیں۔معتزلہ نے ارسطو کے اس الٰہی تصور کو رد کیا اور کہا کہ کائنات خدا کی تخلیق ہے مگر وجود میں آنے سے پہلے وہ خدا کے تخیل میں Potential حالت میں موجود تھی اور بعد میں خدا نے اسے وجود کی صفت عطا کی تو یہ Active حالت میں آ گئی۔معتزلہ جو اپنے آپ کو اصحاب التوحید والعدل بھی کہتے تھے، نے اپنے افکار کی بنیاد اصول خمسہ کو قرار دیا (جن کی تفصیل اس مضمون کے دائرے سے باہر ہے) اور بڑی سرعت سے بصرہ، بغداد اور دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کو متاثر کیا۔معتزلہ قرآن مجید کو خدا کا کلام کہنے کی بجائے اسے مخلوق سے تعبیر کرتے اور اس بارہ میں انہوں نے تشدد سے کام لیا حتیٰ کہ امام احمد بن حنبل جیسی شخصیت کو بھی قید وبند کی صعوبت برداشت کرنا پڑی۔معتزلہ کے مقابل دو بڑی شخصیات اُبھر کر سامنے آئیں۔ ان میں سے ایک بصرہ کے ابوالحسن اشعری تھے اور دوسرے سمرقند سے ابومنصور ماتریدی۔ اس طرح متکلمین کے دو گروہ بنے جو اشاعرہ اور ماتریدیہ کہلائے۔ امام غزالی اشاعرہ کے متبعین میں سے ایک معتبر نام ہے جبکہ امام فخرالدین رازی کا تعلق ماتریدیہ مکتبۂ فکر سے تھا۔معتزلہ کو عباسی خلفاء کی سرپرستی حاصل تھی مگر دسویں عباسی خلیفہ المتوکل نے ان کا قلع قمع کرکے انہیں نیست ونابود کردیا۔

یعقوب بن اسحاق الکندی

تاریخ اسلام میں یعقوب بن اسحاق الکندی کو پہلے عرب فلاسفر کی حیثیت حاصل ہے۔مسلم دنیا میں فلسفیانہ مباحث کا آغاز الکندی کے ذریعہ ہوا۔عقائد میں وہ معتزلہ کے پیروکار تھے جبکہ فلسفہ میں ارسطو کے نظریات کے داعی اور مبلغ تھے۔ الکندی عقل کے چار مدارج بیان کرتے ہیں اور عقل کی کسوٹی پر وحی والہام کو پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے مطابق عقل وشعور کا ہی وہ بلند مقام ہے جہاں پیغمبروں کو وحی اور شاعروں کو آمد ہوتی ہے۔ الکندی نے فلسفہ اور مذہب میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ دونوں کی منزل ایک ہی ہے یعنی خدا تک پہنچنا مگر راستے الگ ہیں۔ ارسطو کی Metaphysics کے مقابل الکندی نے First Philosophy لکھی اور خدا کو اس کائنات کی علت اول قرار دیا یعنی وہی جسے ارسطو نے Prime Mover یا Unmoved Mover کہا تھا۔ البتہ الکندی نے ارسطو کے کائنات کے ازلی اور ابدی ہونے کے نظریے سے اختلاف کیا اور کہا کہ Infinity کا تصور ہی غلط ہے اس وجہ سے کائنات کو ازلی قرار دینا بھی غلط ہے۔

ابو نصر فارابی

الکندی کے بعد جس عظیم فلاسفر نے یونانی فلسفے کو آگے بڑھایا وہ ابونصر فارابی (260- 339ھ) تھے۔ دنیائے اسلام میں ارسطو کو معلم اول اور ابونصر فارابی کو معلم ثانی کہا جاتا ہے۔ مشائین (ارسطو کے پیروکار) نے وحدت سے کثرت کی بنیاد اپنے نظریہ Emanation پر رکھی جسے ایک نظریے کی صورت فلاطینوس نے دی تھی مگر اسے ایک باقاعدہ مربوط نظام کی شکل میں ابونصر فارابی نے پیش کیا۔

فارابی نے کہا کہ واجب الوجود سے جو پہلی چیز صادر ہوئی وہ عقل اول تھی اور یہ بلاارادہ ظہور میں آئی یعنی اسے تخلیق نہیں کیا گیا۔ عقل اول سے عقل ثانی، عقل ثالث وغیرہ۔ اس طرح کل دس عقول صادر ہوئیں۔ دسویں عقل کو فارابی عقل فعال (Active Intellect) کہتے ہیں جو ہیولیٰ (Hyle) کی اصل ہے۔ ہیولیٰ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں مادہ جو صورت قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔عقل فعال سے عناصر اربعہ ظاہر ہوئے یعنی آگ، ہوا، پانی اور مٹی۔عناصر اربعہ سے معدنیات بنیں۔معدنیات سے نباتات وجود میں آئے۔ نباتات سے حیوانات بنے اور حیوانات سے انسان وجود میں آیا۔ فارابی کے نزدیک The One جس سے عقول کا اخراج ہوا وہ خدا کی ذات ہے اور دسویں عقل یعنی عقل فعال دراصل جبریل علیہ السلام ہیں۔ باقی نو عقول کے بارہ میں بھی فارابی نے تفاصیل دی ہیں جن سے افلاک اور اجرام فلکی نے جنم لیا۔ یہ بنیاد ہے فارابی کے نزدیک وحدت سے کثرت کی جس میں تخلیق کا کوئی عمل شامل نہیں بلکہ یہ ایسے ہے جیسے بھرے ہوئے برتن سے اس میں موجود مادہ بہ نکلتا ہے۔ اسی طرح فارابی نے بھی ارسطو کی طرح اس کائنات کو ازلی اور ابدی قرار دے دیا۔

ابن سینا

اب آئیے ابن سینا کی طرف جنہیں بلاشبہ دنیائے اسلام کے سب سے بڑے فلاسفر اور طبیب کا درجہ حاصل ہے۔ ابن سینا نے الٰہیات، فلکیات، طب، فلسفہ، کیمسٹری، فزکس غرضیکہ تمام مروجہ علوم پر لکھا۔ ان کی دو کتابیں Book Of Healing اور Canon Of Medicine سترھویں صدی کے وسط تک مغرب کی میڈیکل یونیورسٹیز میں پڑھائی جاتی رہیں۔ بنیادی طور پر ابن سینا یونانی فلسفہ اور منطق کو استعمال کرکے خدا کی وحدانیت اور سچائی ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف رہے۔ ان کا سب سے بڑا کام Ontology یعنی وجود کی بحث پر ہے۔

افلاطون نے کہا تھا کہ اس کائنات میں پائے جانے والی تمام مادی اشیاء کی Forms یا امثال غیرحسی دنیا میں سانچوں کی شکل میں پائی جاتی ہیں۔ ارسطو نے افلاطون کے اس نظریے کو رد کرتے ہوئے کہا تھا کہ مادہ اور اس کی شکل دوعلیحدہ علیحدہ چیزیں نہیں بلکہ مادہ کے اندر ہی اس کی آخری شکل کا خاکہ موجود ہوتا ہے جو اندرونی اور بیرونی قوتوں کے اثر سے اپنی واضح شکل میں آ جاتا ہے۔ ابن سینا نے اس کے لئے Existence اور Essence کے الفاظ استعمال کئے یعنی وجود اور ماہیت۔ اور وہ بیرونی قوت جو Substance اور Essence کو اکٹھا کرکے اسے وجود (Being) کی شکل دیتی ہے ابن سینا نے اسے Agent Cause کا نام دیا یعنی وہ واجب الوجود ہے جو ممکن الوجود کو Existence عطا کرتا ہے اور وہ خدا کے سوا اور کوئی نہیں۔ بنیادی طور پر یہ ارسطو ہی کا نظریہ ہے جسے ابن سینا نے آگے بڑھایا۔۔ مگر ارسطو نے یہ کہا تھا کہ مادہ کے ختم ہونے کے ساتھ اس کی صورت یا Form بھی ساتھ ہی ختم ہوجاتی ہے ابن سینا نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ انہوں نے Essence کو روح اورنفس کا نام دیا اور کہا کہ مادہ اور روح دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ وجود کے فنا ہونے سے روح فنا نہیں ہوتی۔ اسے ابن سینا نے ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا جسے Floating Man Argument کہاجاتاہے۔ابن سینا پر یونانی فلسفہ کے ساتھ ساتھ معتزلہ کی عقلیت پسندی کا بھی غلبہ تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ پیغمبروں کی وحی کو فلسفہ کے معیار پر پورا اترنا چاہئے۔ اسی بنیاد پر ابن سینا نے قیامت کے دن انسانوں کے اٹھائے جانے کا بھی انکار کردیا صرف یہی نہیں بلکہ ایک فلسفی کو پیغمبر سے افضل قرار دیا۔ ابن سینا نے فلسفہ اور مذہب اور مابعد الطبیعات کی سچائی اور حقیقت جانچنے کا معیار صرف اور صرف فلسفہ کو قرار دیا۔

ابو بکر محمد بن زکریا الرازی

تیسری صدی ہجری میں ایران میں پیدا ہونے والے ابو بکر محمد بن زکریا الرازی کو طب اور فلسفہ میں ایک بڑا مقام حاصل ہے۔ الرازی ایک مکمل عقلیت پسند انسان تھے اور یونانی فلسفہ کے حد سے زیادہ معتقد تھے۔ الرازی نے مسلمان متکلمین اور مقلدین پر سخت تنقید کی جو روحانی امور میں عقل کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ الرازی کا کہنا تھا کہ پیغمبروں کو ان کے پیغام کی سچائی کی وجہ سے ماننا چاہئے نہ کہ ان کی طرف منسوب کئے گئے معجزات کی وجہ سے۔ الرازی کے شدید ناقد ابو حاتم الرازی (اسماعیلی) نے زکریا رازی کو ملحد کا خطاب دیا (Al Razi The Heretic) اور انہیں مذہب دشمن کے طور پر پیش کیا۔ الرازی کا کہنا تھا کہ ہر چیز پر سوال اُٹھانا چاہئے جب تک عقل اُسے تسلیم نہ کرلے۔ اور ان کی یہ بات سقراط کے فلسفہ کے مطابق تھی کہ Doubt Is The

Source Of Truth۔الرازی کے فلسفہ کے مطابق چار چیزیں ازلی اور ابدی یعنی Eternal ہیں۔

1.خدا

2.مادہ

3.وقت

4.روح

الرازی بھی معتزلہ کی اس سوچ سے اتفاق رکھتے تھے کہ مادہ جس سے یہ کائنات بنی ہے ازلی اور ابدی ہے اور کائنات شروع میں بالقوہ (Potential) حالت میں موجود تھی جو بعد میں خدا کے ارادہ سے بالفعل (Active) حالت میں ظاہر ہوئی۔

اخوان الصفاء

عباسی دور خلافت میں عقلیت پسندی کی جو بڑی تحریکیں اُٹھیں ان میں ایک معتزلہ کی تحریک تھی جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اور دوسری اخوان الصفا کی تحریک تھی جو چوتھی صدی ہجری کے آخر پر شروع ہوئی۔ یہ فری میسن طرز کی ایک خفیہ تنظیم تھی جس کا آغاز بصرہ میں ہوا۔اس تحریک کو یونانی اور نوافلاطونی فلسفے کا تسلسل کہا جا سکتا ہے۔اس کا مقصد شریعت اسلامیہ اور فلسفہ کو ملا کر مختلف علوم کو سیکھنا اور آگے بڑھانا تھا۔مسلمان حکمران اور روایتی مسلمان اس بات کے سخت خلاف تھے کہ شرعی نصوص کو چھوڑ کر علوم سیکھنے کے لئے فلسفہ کا سہارا لیا جائے۔اخوان الصفا کے ممبران اس مخالفت اور عتاب کے ڈر سے اپنی سرگرمیوں کو خفیہ رکھتے تھے مگر انہوں نے باقاعدہ اجلاسات میں تمام دنیاوی علوم پر بحث مباحثہ اور تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا۔اپنے مقصد کے حصول کے لئے اخوان الصفا نے بڑا زبردست کام کیا اور تمام مروجہ علوم پر تحقیق کر کے باون (52) رسائل تحریر کئے جنہیں دنیا کا پہلا انسائکلو پیڈیا ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔بعد میں ان تمام رسائل کا خلاصہ ''الجامعہ'' کے نام سے شائع کیا گیا۔اخوان الصفا کے دانشوروں نے اپنے منشور میں لکھا۔

''اسلامی شریعت جہالتوں اور گمراہیوں کی آمیزش سے گندی ہو گئی ہے اس کو صرف فلسفے کے ذریعے دھویا اور پاک کیا جا سکتا ہے۔اس لئے فلسفہ، اعتقادی علوم وحکمت اور اجتہادی مصلحتوں پر حاوی ہے۔اب صرف فلسفہ یونان اور شریعت محمدیہ کے امتزاج سے کمال مطلوب حاصل ہوسکتا ہے۔''

مسلمان حکمران اس تحریک کو مذہب اور سلطنت کے خلاف سمجھتے تھے اس لئے ان رسائل پر پابندی لگادی گئی جو انیسویں صدی تک برقرار رہی۔رسائل اخوان الصفا کا دنیا کی بڑی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

ایک بڑا فتنہ جو فلسفے کے بداثر کے نتیجے میں اس دور میں ابھرا وہ باطنیت کا فتنہ تھا۔ان کے نزدیک قرآن کی آیات کے ایک ظاہری معنی ہوتے ہیں اور ایک باطنی۔ظاہری معنی عوام الناس کے لئے جبکہ باطنی معانی کا علم اہل علم اور مخصوص لوگوں کو دیا جاتا ہے اور باطنی معانی ہی قرآن کا اصل مفہوم اور تشریح ہے۔اس فتنہ کے ایک بڑا لیڈر حسن بن صباح تھا۔مولانا عبدالحلیم شرر کا مشہور ناول فردوس بریں فرقہ باطنیہ کی ریشہ دوانیوں کے بارہ میں ہے۔

امام غزالی اور تجدید دین:

دنیائے اسلام میں تجدید دین اور احیائے اسلام کے سلسلے میں ایک بہت بڑا اور معتبر نام امام غزالی کا ہے جو پانچویں صدی ہجری میں پیدا ہوئے اور اس دور میں پیدا ہونے والے فتنوں کا مقابلہ کر کے مسلمانوں کے قلب و ذہن میں پائے جانے والے شکوک وشبہات کو دور کیا اور اسلام کی حقانیت کو دلوں میں راسخ کیا۔ بلاشبہ وہ مجدد وقت تھے۔امام غزالی کو اپنے دور میں چار بڑے فتنوں کا سامنا تھا۔

1.فلسفہ اور اس کے مسلمانوں پر بد اثرات

2.معتزلہ کے افکار و نظریات

3.اخوان الصفا

4.فرقہ باطنیہ کی یلغار

امام غزالی سے قبل مسلمان علماء فلسفہ کے اثرات سے مرعوب ہو چکے تھے۔ان میں کوئی عالم بھی ایسا نہ تھا جو فلسفہ اور علوم اسلامی پر بیک وقت دسترس رکھتا ہو اور فلسفیانہ موشگافیوں کا جواب دے سکے۔امام غزالی نے جو قرآنی علوم پر دسترس رکھتے تھے فلسفہ کا تفصیلی اور تنقیدی مطالعہ کیا اور گہری تحقیق کے نتیجہ میں یونانی فلسفہ اور اس کے مسلمان وکیلوں کو جواب دینے کا فیصلہ کیا۔غزالی نے اس تحقیق کو اپنی کتاب ''مقاصد الفلاسفہ'' میں بڑی محنت اور غیر جانبداری سے پیش کیا۔ایک رسالہ ''معیار العلم'' کے نام سے تحریر کیا جو ارسطو کی منطق اور فلسفے کا صاف اور واضح خلاصہ تھا۔ان دو ابتدائی تعارفی کتابوں کے بعد امام غزالی نے اپنی وہ شہرہ آفاق کتاب تحریر کی جسے ''تہافت الفلاسفہ''

(Incoherence of Philosophers)

کا نام دیا جس نے یونانی فلسفے کا تاروپود بکھیر کر رکھ دیا۔غزالی اس کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔''پہلی دو کتابوں کی تصنیف کا مقصد وہ بنیاد تیار کرنا تھا جس سے ارسطو کے یا غالباً افلاطون کے ان افکار ونظریات کا رد کیا جا سکے جن کی تعبیر اسلام کے دو سب سے ممتاز اور قابل اعتماد فلاسفہ فارابی اور ابن سینا نے کی تھی۔''

تہافت الفلاسفہ میں غزالی نے فلاسفہ کی وہ تمام منطق اور دلائل درج کر دیئے جن پر ان کی الہیات کی بنیاد ہے۔یہ کل بیس نکات ہیں جن میں سے تین کا تعلق طبیعات سے ہے اور باقی سترہ کا تعلق مابعد الطبیعات (Metaphysics) سے ہے۔مگر وہ تین بنیادی مسائل جن پر امام غزالی نے فلسفہ کے دلائل کو بنیاد بنا کر انہیں رد کیا وہ یہ تھے:

1.دنیا یا مادہ (Substance) کا ازلی اور قدیم ہونا۔

2.خدا کا کلیات کا علم رکھنا اور جزئیات سے بے خبر ہونا۔

3.قیامت کے دن حشر اجساد کا انکار۔

کتاب کی تمہید میں امام غزالی لکھتے ہیں:

''ہمارے زمانے میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جن کو یہ زعم ہے کہ ان کا دل و دماغ عام آدمیوں سے ممتاز ہے۔یہ لوگ مذہبی حدود و قیود کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے سقراط و بقراط، افلاطون و ارسطو کے پُر ہیبت نام سنے اور ان کی شان میں ان کے مقلدوں کی مبالغہ آرائیاں اور قصیدہ خوانیاں سُنیں۔ان کو معلوم ہوا کہ ریاضیات، منطقیات، طبیعات و الہیات میں اُنہوں نے بڑی موشگافیاں کی ہیں اور ان کا عقل و ذہن میں کوئی ہمسر نہ تھا۔اس عالی دماغی اور ذہانت کے ساتھ وہ مذاہب اور ان کی تعلیمات کے منکر تھے اور ان کے نزدیک مذہب کے اصول و قواعد مصنوعی اور فرضی ہیں۔پس انہوں نے بھی تقلید انکار مذہب کو اپنا شعار بنا لیا اور تعلیم یافتہ اور روشن خیال کہلانے کے شوق میں مذاہب کا انکار کرنے لگے تا کہ ان کی سطح عوام سے بلند سمجھی جائے اور وہ بھی علماء وعقلاء کے زمرے میں شمار ہونے لگیں۔اس بنا پر میں نے ارادہ کیا کہ ان حکماء نے الہیات پر جو کچھ لکھا ہے اس کی غلطیاں دکھاؤں اور ثابت کروں کہ ان کے مسائل اور اصول بازیچہ اطفال اور ان کے بہت سے اقوال و نظریات حد درجہ کے مضحکہ خیز بلکہ عبرت انگیز ہیں۔''

(تہافت الفلاسفہ صفحہ 2 - 3)

یہ تحریر واضح طور پر اس امر کی دلیل ہے کہ امام غزالی فلسفہ سے مرعوب ہونے کی بجائے اور معذرت خواہانہ یا مدافعانہ لہجہ اپنانے کی بجائے جارحانہ انداز میں فلسفہ کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے اور مذہب کی سچائی ثابت کرنے کا پختہ ارادہ لے کر اُٹھے اور درحقیقت وہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا کہ اس کے بعد یونانی فلسفے کا سحر باطل ہو کر رہ گیا۔غزالی نے مسلمان فلاسفروں پر جو یونانی فلسفہ سے مرعوب اور اس کے وکیل بنے ہوئے تھے بڑی کاری ضرب لگائی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد سے لے کر اب تک یونانی فلسفہ مسلمان ذہنوں پر کوئی گمراہ کن اثر ڈالنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔''تہافت الفلاسفہ'' کے دندان شکن لب ولہجہ کا اثر تھا کہ قریباً ایک صدی تک اس کا کوئی معقول جواب لکھنے کی کسی میں جرأت نہ ہوئی۔

مغربی مفکرین نے امام غزالی کو اسلامی دنیا میں سائنسی علوم کے زوال کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔حتیٰ کہ پاکستان کے نامور سائنسدان اور ماہر تعلیم پرویز ہود بھائی نے اپنی کتاب: Islam And Science: Religious Orthodoxy And The Battle For Rationality میں امام غزالی کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا اور انہیں سائنس اور فلسفہ کا دشمن قرار دیا اور لکھا کہ غزالی نے سائنس کی قربانی دے کر رجعت پسندی کو بچالیا اور تعقل پر مبنی فلسفہ کے خلاف منظم بغاوت کی جو کہ کامیاب ہوئی۔

برصغیر کے معروف قانون دان اور جدید نظریات کے حامل اسکالر اور مؤرخ سید امیر علی نے بھی اپنی معروف کتاب The Spirit

Of Islam میں امام غزالی کو اسلام میں سائنس اور عقلیت پسندی کے زوال کا سبب قرار دیا ہے۔ سید امیر علی اشعری اور غزالی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ’’یہ دونوں بزرگ سائنس اور فلسفہ کی مذمت کر کے اور اس پر زور دے کے کہ دینیات اور فقہ کے علاوہ کوئی علم قابل تحصیل نہیں، اسلامی دنیا کی ترقی کو مسدود کرنے میں سبقت لے گئے۔ ان کی مثال آج تک جہالت اور ذہنی جمود کے جواز میں پیش کی جاتی ہے۔‘‘

امام غزالی کے معتقدین کہتے ہیں کہ امام غزالی نے فلسفہ کی مخالفت نہیں کی بلکہ مسلمان فلاسفہ (فارابی اور بوعلی سینا) کے ان الہیاتی نتائج پر تنقید کی ہے جو اسلام کے بنیادی مقدمات سے متصادم ہو رہے تھے۔

ابن رُشد

چھٹی صدی ہجری کے ممتاز اور نامور مسلمان فلسفی ابن رشد نے امام غزالی کی اس کتاب کے جواب میں ’’تہافت التہافت‘‘ لکھی اورغزالی کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ ابن رُشد کا کہنا تھا کہ غزالی نے ارسطو کو فارابی اور ابن سینا کے حوالے سے جانا اور اس کو غلط قرار دیا جبکہ ان دونوں نے خود ارسطو کے نظریات کو سمجھنے میں غلطی کی اورفلاطینوس (Plotinus) کے نظریات کو ارسطو کی طرف منسوب کر دیا۔ چنانچہ اس حوالے سے غزالی کی تنقید کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ ابن رشد کا خیال تھا کہ جس طرح ارسطو کو وہ سمجھے ہیں دوسرا کوئی مسلم فلاسفر اس طرح نہیں سمجھا۔ ابن رشد نے ارسطو کے فلسفے پر بڑی زبردست (Commentaries) لکھیں۔ بارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی میں یورپ کو ارسطو کے اصل کام سے متعارف کروانے میں ابن رشد کی یہی تفاسیر تھیں۔ اسی لئے یورپ میں ابن رُشد کو Averroes Thecommentator کے نام سے یاد رکھا جاتا ہے۔ الغزالی کی فلسفہ پر زبردست تنقید کے نتیجے میں کم از کم عرب دنیا میں یونانی فلسفے کا اثر ٹوٹ گیا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ابن رشد کے فلسفہ کی بھی مسلم دنیا میں زیادہ پزیرائی نہ ہوئی اور اس کے برعکس یورپ میں ان کی قدر و منزلت میں بہت اضافہ ہوگیا۔ ارسطو نے مادہ کو ازلی اور ابدی (Eternal) کہا تھا اسی طرح ابن رشد نے بھی ارسطو کے اس فلسفہ سے اتفاق کیا۔

دوسری اہم بات ارسطو نے کہی تھی کہ انسان کی روح جسم کے مرنے کے ساتھ ہی مر جاتی ہے ابن رشد نے اس سے کسی حد تک اختلاف کیا۔ ابن رشد کا کہنا تھا کہ کسی انسان کے اندر کوئی انفرادی روح نہیں ہوتی بلکہ یہ عقل فعال (Active Intellect) کے ایک حصے کے طور پر ہر انسان پر اثر انداز ہوتی ہے اور روز قیامت کوئی روح انفرادی طور پر نہیں بلکہ تمام انسانوں کی ایک مجموعی روح کے طور پر خدا کی طرف واپس جائے گی۔

الغزالی اور ابن رُشد کے اس قضیے نے مسلم دانشوروں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اور یہ بحث اب بھی جاری ہے کہ اگر مسلم دنیا غزالی کی جگہ ابن رشد کو اپنا امام اور راہبر مان لیتی تو مسلمان کبھی اُس پستی کا شکار نہ ہوتے جس کا انہیں آج سامنا ہے۔ ابن رُشد کے چاہنے والے کہتے ہیں کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ غزالی نے تجدید دین کا کام کیا مگر اس کے ساتھ انہوں نے مسلمانوں کو بنیاد پرستی کی طرف دھکیل دیا جبکہ ابن رُشد نے عقل وشعور اور دانش کے ساتھ فلسفے اور اسلام کے درمیان تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی مگر ان کی قدر نہ کی گئی۔

دوسری طرف امام غزالی کے معتقدین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ غزالی نے صرف فلسفہ کو ہدف تنقید بنایا اور باقی دنیاوی علوم کے حصول اور ترقی کو کبھی غلط قرار نہیں دیا۔

ہمارے نزدیک دونوں شخصیات بہت محترم اور معتبر ہیں اور ہم دونوں کی علمی کاوشوں کے معترف ہیں۔ بہرحال امام غزالی کی فلسفہ پر تنقید کے نتیجے میں مسلم خصوصاً عرب دنیا میں فلسفہ کے اثرات کمزور پڑ گئے اور اس کی جگہ صوفی ازم نے لے لی۔

شہاب الدین سُہروردی

چھٹی صدی ہجری کی ایک معروف شخصیت شہاب الدین سُہروردی المقتول (586ھ۔ 549ھ) ہیں جنہوں نے فلسفہ اشراق کی بنیاد رکھی۔ اس نظریے میں فلسفے اور تصوف کو عقلی استدلال اور باطنی مشاہدے کے ذریعے جمع کیا گیا ہے۔ اس نظریے کوحکمت اشراق بھی کہتے ہیں اور اس کے متبعین اشراقی کہلاتے ہیں۔ اشراقین کا کہنا ہے کہ وجود نور ہے جس کے کئی مراتب ہیں۔ اس کی حقیقت ایسا نورالانوار ہے کہ جس سے صرف نور ہی حاصل ہوتا ہے۔ شہاب الدین سہروردی نے نورالانوار سے حاصل ہونے والے پہلے نور کو ’’نور اقرب‘‘ کا نام دیا جس کا تعلق نورالانوار سے ایسا ہے جیسا سورج کے ساتھ اس سے نکلنے والی شعاؤں کا ہوتا ہے۔ اس طرح تمام موجودات اسی نور سے تخلیق پاتے ہیں جن میں نور کی شدت مختلف ہوتی ہے۔ سہروردی کے نزدیک ان انوار سے عالم مثال اور عالم روح صادر ہوتے ہیں اور پھر عالم حس کا صدور ہوتا ہے۔ یعنی کل تین عالم ہیں۔ عالم انوار، عالم مثال اور عالم حس۔ شہاب الدین سہروردی کا نظریہ قرآنی آیت اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ کی تفسیر کی ایک کوشش قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر درحقیقت اس میں نوافلاطونی نظریہ Emanation کو مختلف انداز میں پیش کیا گیا ہے کیونکہ تمام عالم کسی تخلیق کا نتیجہ نہیں بلکہ نورالانوار سے بغیر ارادہ اور قصد کے ظہور پزیر ہوئے ہیں۔

نظریہ وحدت الوجود اور مسلمان صوفیاء

یونانی فلسفے نے نہ صرف مسلمان مفکرین کے ذہنوں کو آلودہ کیا بلکہ صوفیاء بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ میں اس سے پہلے بتا چکا ہوں کہ عباسی خلیفہ مامون الرشید کے عہد (تیسری صدی ہجری) میں یونانی فلسفے کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا تو عربوں میں اس کے اثرات نمودار ہوئے۔ اسلام کی پہلی دو صدیوں میں وحدت الوجود کے کسی فلسفے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے جن صوفیاء نے اس کا پرچار کیا ان میں جو نمایاں نام سامنے آئے وہ یہ تھے:

1.ذوالنون مصری

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پہلے بزرگ جن کی ذات سے نظریہ وحدت الوجود کے خیالات منسوب ہیں، ذوالنون مصری ہیں جن کی پیدائش 179ھ میں اور وفات 245ھ میں ہوئی۔ چونکہ Plotinus کا تعلق بھی مصر سے تھا اور اس کے نظریات کافی حد تک پھیل چکے تھے اس لئے ذوالنون مصری بھی اس کا شکار ہوئے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ’’اللہ سے جو محبت کی جاتی ہے وہ انسان کو انجام کار اس سے متحد کر دیتی ہے۔ انسان ذات خداوندی میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس کی ذات اپنی ذات نہیں رہتی بلکہ ذات خداوندی کا ایک حصہ بن جاتی ہے۔‘‘

2.بایزید بسطامی

زمرہ صوفیاء میں بایزید بسطامی کو ایک بلند مقام حاصل ہے ان کی پیدائش 191ھ میں اور وفات 261ھ میں ہوئی۔ ان کے بارہ میں جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ ہم میں ابو یزید کو وہ درجہ حاصل ہے جو ملائکہ میں جبریل کو حاصل ہے۔ بایزید بسطامی کے بارہ میں جو روایت ملتی ہے اس کے مطابق وہ فرماتے ہیں:۔

’’سانپ کی کینچلی اُتارنے کی مانند میں بایزید سے نکلا تو دیکھا کہ عاشق ومعشوق ایک ہی ہیں۔ کیونکہ توحید کے عالم میں ایک ہی کو دیکھا جا سکتا ہے۔‘‘

’’بہت سے مقامات مجھے نظر آئے لیکن جب غور کیا تو اپنے آپ کو صرف اللہ کے مقام میں پایا۔‘‘

’’مدت تک میں خانہ کعبہ کا طواف کرتا رہا لیکن جب خدا تک پہنچ گیا تو خانہ کعبہ خود میرا طواف کرنے لگا۔‘‘

ایک دفعہ آپ نے عالم بے خودی میں کہہ دیا ’’سُبۡحَانِیۡ مَا اَعۡظَمُ شَاۡنِیۡ‘‘ یعنی تعریف میری ہی ہے۔ کیا بڑی ہے شان میری۔

3.جنید بغدادی

آپ کی پیدائش 220ھ میں ہوئی۔ حضرت داتا گنج بخش نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں آپ کو ’’امام الائمۃ‘‘ لکھا ہے۔ آپ نے فرمایا! ’’معرفت خدا کی طرف مشغول ہونے کو کہتے ہیں۔ معرفت ایک گونہ امتحان ہے۔ یعنی جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ عارف ہے وہ دھوکے میں ہے، اس لئے کہ عارف ومعروف درحقیقت وہی ہے۔‘‘

’’علم ایک محیط چیز ہے اور معرفت بھی محیط ہے پھر خدا کہاں اور بندہ کہاں، پس عارف ومعروف ایک ہے۔‘‘

(جاری ہے)

افتتاح مسجد کاسری ریجن کایا برکینا فاسو

رپورٹ: مبارک احمد منیر۔ نمائندہ الفضل برکینا فاسو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی بھی جگہ اسلام کی ترقی کے لیے مسجد کی تعمیر کو بہت اہمیت دی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ

’’اس وقت ہماری جماعت کو مساجد کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ خانہ خدا ہوتا ہے۔جس گاؤں یا شہر میں ہماری جماعت کی مسجد قائم ہوگئی تو سمجھو کہ جماعت کی ترقی کی بنیاد پڑ گئی۔ اگر کوئی ایسا گاؤں ہو یا شہر جہاں مسلمان کم ہوں یا نہ ہوں اور وہاں اسلام کی ترقی کرنی ہو تو ایک مسجد بنا دینی چاہیے پھر خدا خود مسلمانوں کو کھینچ لاوے گا۔لیکن شرط یہ ہے کہ قیامِ مسجد میں نیّت بہ اخلاص ہو۔محض للہ اسے کیا جاوے۔نفسانی اغراض یا کسی شر کو ہرگز دخل نہ ہو تب خدا برکت دے گا۔

۔۔۔۔غرضیکہ جماعت کی اپنی مسجد ہونی چاہیے جس میں اپنی جماعت کا امام ہو اور وعظ وغیرہ کرے۔ اور جماعت کے لوگوں کو چاہیے کہ سب مل کر اسی مسجد میں نماز باجماعت ادا کیا کریں جماعت اور اتفاق میں بڑی برکت ہے۔ پراگندگی سے پھوٹ پیدا ہوتی ہے۔‘‘

(ملفوظات جلدہفتم صفحہ 119 ایڈیشن 1984ء مطبوعہ انگلستان)

پس اسی ہدایت پرعمل کرتے ہوئے اور بنی نوع انسان کو اپنے خالق کی طرف لانے کے لیے جماعت احمدیہ کو ہر سال پوری دنیا میں سینکڑوں نئی مساجد تعمیر کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ چنانچہ جماعت احمدیہ برکینا فاسو میں بھی ہر سال بیسیوں مساجد کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہے۔

جماعت احمدیہ برکینافاسو کو اس سال ریجن کایا صوبہ Sanmtenga کے کاسری گاؤں میں مسجد تعمیر کرنے کی توفیق ملی۔ یہ گاؤں مئی 2017 کو احمدیت کی آغوش میں آیا اور بہت جلد اس گاؤں کے لوگ اخلاص و

وفا میں بڑھتے چلے گئے۔ چنانچہ اس سال یہاں مسجد تعمیر کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔

سنگ بنیاد

مسجد کا سنگ بنیاد 27 اگست 2021 بروز جمعۃ المبارک کو بعد نماز جمعہ رکھا گیا۔ سنگ بنیاد کی پہلی اینٹ حافظ عطاء النعیم صاحب ریجنل مشنری کایا نے رکھی۔ اس کے بعد ریجنل صدر صاحب نے اینٹ رکھی بعد ازاں مقامی چیف، میئر، صدر جماعت اور ایک طفل نے سنگ بنیاد کی اینٹیں رکھنے کی توفیق پائی۔ اس موقع پر ایک بکرا صدقہ بھی دیا گیا تا کہ تمام کام خوش اسلوبی سے انجام پذیر ہو اور کسی قسم کی تعمیر کے درمیان مشکل پیش نہ آئے۔ اس موقع پر ریجنل مشنری صاحب نے مقامی میئر اور چیف کو فرنچ زبان میں قرآن کریم اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی کتاب ’’عالمی بحران اور امن کی راہ‘‘ تحفہ میں دی۔

مسجد کی تعمیر میں افراد جماعت کا جوش و ولولہ

مسجد کی تعمیر کے مختلف مراحل میں گاؤں کے افراد میں خوب جوش و ولولہ دیکھا گیا۔ تمام خدام و اطفال اور انصار نے کسی نہ کسی طرح وقارِ عمل میں حصہ لیکر اس مسجد کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کیا۔ مسجد کی تعمیر کے لیے گاؤں کے افراد نے ریت اور پتھر وغیرہ کا انتظام اپنے ذمہ لیا۔ نیز تعمیر کے لیے پانی کا انتظام بھی گاؤں کے افراد نے کیا۔ اس علاقہ میں پانی کا حصول انتہائی مشکل ہوتا ہے چنانچہ گاؤں کے افراد گھریلو استعمال کے لیے بھی پانی کئی کلومیٹر کا سفر طے کر کے لاتے ہیں۔ اس لیے مسجد کے لیے پانی کا مہیا کرنا بھی ان کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج تھا جس کو انھوں نے بڑے شوق اور جذبہ سے پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس کی جزا دے۔ آمین

مسجد کا افتتاح

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسجد کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد گاؤں کے افراد سے میٹنگ کر کے مسجد کے افتتاح کی تاریخ 17 دسمبر 2021 کو رکھی

گئی۔ افتتاح کے لیے مکرم محمود ناصر ثاقب صاحب امیر و مشنری انچارج برکینا فاسو ایک بہت بڑے وفد کے ساتھ تشریف لائے۔ اس وفد میں مکرم امیر صاحب کے علاوہ نائب امیر و نیشنل صدر انصار اللہ کابورے سلیمان صاحب، نیشنل صدر خدام الاحمدیہ کونے داؤدا صاحب، اہلیہ مکرم امیر صاحب برکینافاسو بطور نمائندہ صدر لجنہ برکینا فاسو، نیز دیگر ممبران نیشنل عاملہ و مہمانان شامل تھے۔

چنانچہ 17 دسمبر 2021 بروز جمعہ کو یہ وفد بارہ بجے کاسری جماعت میں پہنچا۔ وفد کے استقبال کے لیے گاؤں سے کئی کلومیٹر باہر خدام موٹر سائیکلوں پر موجود تھے۔ گاؤں میں افراد جماعت نے جوش و خروش اور محبت سے استقبال کیا۔ نماز جمعہ سے پہلے مکرم امیر صاحب نے فیتہ کاٹ کر مسجد کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر تقریباً دس مقامی چیف بھی موجود تھے۔ نیز اس علاقہ کے میئر بھی شامل ہوئے۔ مکرم امیر صاحب نے اپنے خطبہ میں مسجد کی اہمیت اور عبادات بجا لانے پر توجہ دلائی اور غیر احمدی افراد کے لیے جماعت احمدیہ کا تعارف بھی پیش کیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد مقامی چیف اور میئر نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ بعد ازاں مہمانان کے لیے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس موقع پر اردگرد کے گاؤں سے ایک بڑی تعداد شامل ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس تقریب میں 800 کے قریب مرد و خواتین شامل ہوئے۔ یہ تقریب جماعت احمدیہ کی تبلیغ کا باعث بھی بنی۔ پروگرام کے بعد وفد امیر صاحب اور مقامی چیف و میئر کا یادگاری گروپ فوٹو کھینچا گیا۔ اس مسجد میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے سولر سسٹم کے ذریعہ بجلی کا انتظام بھی کیا گیا ہے نیز ایم ٹی اے اور ساؤنڈ سسٹم بھی لگایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مسجد کی تعمیر سے افراد جماعت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے نیز افراد جماعت اخلاص و وفا میں بڑھتے چلے جائیں۔ آمین

بقیہ: فرمان خلیفۂ وقت...... از صفحہ 2

ہوتا ہے اور سید عبدالقادر اور حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی نے بھی فرمایا ہے کہ وحی والہام مکاشفات الٰہیہ اولیاء اللہ کو بھی ہوتا ہے۔ مَیں نے عرض کی کہ مَیں بحث کرنے نہیں آیا۔ مجھے تو صوفیائے کرام کی طرح سچی خواب یا الہام یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے آپ کی صداقت کا یقین آئے گا۔ (یعنی بحث تو مَیں نے نہیں کرنی۔ کوئی سچی خواب آئے یا الہام ہو یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو تو مجھے یقین آئے گا۔ اس لئے آیا ہوں۔ یہ آپ مجھے کرکے دکھائیں)۔ آپ نے فرمایا کہ آپ استخارہ کریں۔ مَیں نے کہا کونسا استخارہ؟ فرمایا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری صداقت اللہ تعالیٰ سے پوچھو۔ عرض کی کہ کس طرح؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ استخارہ کرکے۔ یہ دو باتیں تھیں جن سے مجھے یقین ہوا کہ یہ شخص مکّار نہیں ہے۔ خیر چار ماہ بعد استخارہ مسنونہ (چار ماہ یہ استخارہ کیا اور اس مسنونہ استخارہ کے بعد کہتے ہیں میں نے) یہ رؤیا دیکھا کہ میں ایک مسجد میں آیا ہوں جو مسجد مبارک کی طرح ہے۔ حضرت صاحب صبح کی نماز پڑھ کر دالان میں نہایت مبارک نورانی صورت سے آکر بیٹھ گئے۔ میں نے عرض کی کہ میں آپ کے دعویٰ کی صداقت کا طالب ہوں۔ (یعنی پوچھنا چاہتا ہوں کہ کس طرح آپ کا دعویٰ سچا ہے؟) کہتے ہیں کہ آپ کی طرف سے یہ بڑی اونچی آواز آئی۔ ’’جس آونا سی اوتے آ گیا‘‘ پنجابی میں۔ کہتے ہیں یہ آواز میرے دل کے اندر داخل ہوگئی اور یقین کامل ہوگیا کہ جس نے آنا تھا، یعنی مسیح موعود، مہدی موعود یہی حضرت مرزا صاحب ہی ہیں۔ اثنائے استخارہ (یعنی استخارہ کے دوران) مَیں نے بہت دعائیں عجز و نیاز سے کیں۔ ایسے بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا اللہ! اگر مجھے صاف پتہ نہ لگا تو قیامت کے دن اگر مجھ سے بازپرس ہوئی تو یہی کہوں گا کہ میں نے دنیا میں نہایت عجز سے دعا کی تھی کہ عیسیٰ مہدی یہی ہے تو یا اللہ! مجھے بتا دیا جائے۔ آپ نے کیوں نہ بتایا؟ پھر میں نے خط و کتابت حضرت صاحب سے شروع کر دی۔ جواب میں اکثر نماز بحضور دل پڑھنے کی تاکید فرماتے۔ (یعنی بڑے خشوع وخضوع سے نماز پڑھا کرو۔ اکثر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہی تاکید فرماتے تھے۔) اور کوئی اعتراض جو مخالفین کرتے تھے اُس کا جواب مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلم سے ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ مَیں نے عرض کی کہ میں نے بیعت تو پہلے حضرت خواجہ شمس الدین سیال شریف مرحوم والے کی چشتیہ طریق پر کی ہوئی ہے۔ اور پھر میرے پیر صحبت اُن کے مرید مجاز خلیفہ سید حیدر شاہ صاحب مرحوم اور طریقہ قادریہ میں پیر ظہور حسین صاحب مرحوم بٹالہ ہیں۔ کیا اب بیعت کی کوئی ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اَور بیعت ہے۔ضروری یہی بیعت ہے جو اَب کروگے۔ اس پر مَیں نے بیعت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر کی‘‘۔

(ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہ جلد 6 صفحہ 25-27)

(خطبہ جمعہ 2؍ نومبر 2012ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

رانا منور احمد۔ نمائندہ الفضل، کروشیا

ہیومینیٹی فرسٹ کروشیا کی جانب سے نئے سال کی آمد پر مستحق خاندانوں میں کھانے کے پیکٹوں کی تقسیم

ہیومینٹی فرسٹ کروشیا خُدا کے فضل سے کئی سالوں سے نئے سال کی چھٹیوں میں غریبوں کی خِدمت کی توفیق پائی ہے کروشیا میں امارت اورغربت میں فرق بتدریج بڑھ رہاہے جو کہ ان دنوں میں اور بھی کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ جہاں بہت سے والدین کرسمس درخت کوسجانے میں ایک بڑی رقم خرچ کر دیتے ہیں وہاں بہت سے خاندان اپنے بچوں کی مناسب خوراک کے لیئے پریشان رہتے ہیں۔ ہیومینٹی فرسٹ اپنے نعرے ''انسانیت کی خدمت'' کے تحت اس فوری مدد سے ایسے مشکل میں پڑے خاندانوں کی مشکلات کو کچھ کم کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

اس سال کے امدادی پروگرام کی شروعات تین مختلف سکولوں سے ہوئی جہاں اساتذہ کے ساتھ مل کر طلباء اور انکے والدین نے بہت محنت سے ہیومینٹی فرسٹ کروشیا کے ساتھ ایک پروگرام ترتیب دیا اور اس کے مطابق بڑی فراخدلانہ عطیات اکٹھے کیئے جس کے لیئے ہم اسکول کے طلباء اور عملے کے ساتھ ساتھ ان کے والدین کی گرمجوش شمولیت کی بھی ازحد مشکور ہیں۔ اس طرح کا عمل اور عطیات کے لیئے محنت کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ ہم ایک صحت مند معاشرے کی تعمیر کرسکتے ہیں اور ہم صرف چھٹیوں کی آمد یا کرسمس کے دوران ہی نہیں بلکہ کسی بھی وقت امداد کے لیئے تیار رہ سکتے ہیں۔ اور ایک ایسا پلیٹ فارم بنا سکتے ہیں جو ضرورت مندوں کی حاجات کو پورا کرتا رہے۔

اس موقع پر خاکسار مُحترم نالِک علیبیگووچ کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے۔ جنہوں نے ان اشیاء کی پیکنگ کے لیئے بہت اچھے اور مناسب ڈبے مہیا کیئے ہیں۔ اس پروگرام کی مُختصر تفصیل کچھ ایسے ہے۔

18 دسمبر کو 58 پیکٹس خاندانوں میں تقسیم کیئے گئے اور دس پیکٹ اکیلے رہنے والوں افراد کے لیئے بھی تھے۔

19 دسمبر کو 30 مزید پیکٹ بنا کر مقامی ریڈ کراس کے حوالے کیئے گئے۔ اس موقع پر فادر ویدرن اوبوسی نے کیتھولک چرچ کی جانب سے شکریہ ادا کیا۔

20 دسمبر کو 33 پیکٹ تیار کر کے سوبلین کے علاقے میں ضرورت مند خاندانوں میں تقسیم کیئے گئے۔ یہ پیکٹس جن کی تقسیم ہوئی ایک مقامی سکول کے بڑوں اور بچوں کی محنت کا اجر تھے۔ سکول کی ہیڈ مسٹریس صاحبہ نے ہیومینٹی فرسٹ کی اس محنت اور کاوش کو کافی سراہا۔ سب سے خوبصورت بات یہ تھی کہ سکول کے ہی خوشحال بچوں نے یہ اشیاء کم وسائل والے بچوں کے حوالے کیں اسطرح سکول کے اپنے بچوں کی مدد خود انکے ساتھیوں کو کرنے کی توفیق ملی۔

21 دسمبر کو ہیومینٹی فرسٹ کروشیا نے 20 پیکٹ مہیا کیئے جو کسینے کے علاقے کے ایک مقامی سکول کے بچوں اور بڑوں کی انتھک محنت کا صلہ تھے۔

25 دسمبر کو بریزویکا کے علاقے ''کوچا'' میں معذور بچوں کے مرکز میں بچوں سمیت تمام شرکت کرنے والوں کو شام کے کھانے کی بہترین دعوت میں مدعو کیا۔ اس موقع پر موجود آئیوانا کوچِک نے کہا کہ آپ سب کی بے حد شکرگزار ہوں کہ آپ سب نے جس مُحبت سے سے ہم سب کی خدمت کی ہے اور بچوں کو یسوع مسیح کی پیدائش کے اس عظیم تہوار کی برکت میں خوشیوں کے ساتھ شامل کیا۔

26 دسمبر کو ذگریبا اور اس کے اردگرد کے رہنے والے پناہ گزین خاندانوں اور بزرگوں کو 14 خوراک کے ڈبے تقسیم کیئے گئے۔

ہیومینٹی فرسٹ کروشیا ان تمام رضاکاروں اور دوستوں کے جنہوں نے اس پروگرام کی ترتیب اور انعقاد کے لیئے، خوراک کے پیکٹس بنانے میں مدد کرنے والوں، ضرورتمندوں میں تقسیم کرنے میں کسی بھی طور پر مدد کرنے والوں کے تہ دل سے مشکور ہیں۔ خدا تعالیٰ اس کا اعلیٰ جزاء عطا فرمائے۔

دعاؤں کی تحریک

دعا کریں اللہ تعالیٰ دنیا کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے

افغانستان اور پاکستان کے مظلوم احمدیوں کے لئے دعا کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے بیان فرمودہ خطبہ جمعہ 17 دسمبر 2021ء میں فرمایا:

''آج میں افغانستان کے احمدیوں کے لئے دعا کے لئے بھی کہنا چاہتا ہوں۔ بہت تکلیف میں گزر رہے ہیں۔ بعض گرفتاریاں بھی ہوئیں ہیں۔ عورتیں، بچے بڑے پریشان ہیں گھروں میں اپنے۔ جو باہر ہیں مرد، جو گرفتار نہیں ہوئے، وہ بھی بے گھر ہوئے ہوئے ہیں کیونکہ خطرہ ہے کہ گرفتاریاں نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے آسانیاں پیدا فرمائے اور ان کو اس مشکل سے نکالے۔

پھر پاکستان کے احمدیوں کے لئے بھی دعا کریں۔ وہاں بھی عمومی طور پر حالات خراب ہی ہوتے ہیں۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی واقعہ ہوجاتا ہے۔ جو لوگ احمدیوں کو تکلیفیں دے رہے ہیں۔

اسی طرح مجموعی طور پر بھی دعا کریں اللہ تعالیٰ دنیا کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر شر کو ختم کرے اور دنیا اپنے پیدا کرنے والے کی حقیقت کو پہچان لے۔''

قارئین امام وقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے درد دل کے ساتھ اپنے مظلوم احمدی بھائیوں کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔

(ابوسعید ۔ ایڈیٹر)

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION
Download on the App Store
ANDROID APP ON Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء
درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

حاصل مطالعہ

برطانیہ میں ایک دہائی کے دوران 400 سے زائد گرجا گھر بند ہونے کا انکشاف

راچڈیل (نمائندہ جنگ) برطانیہ میں گزشتہ ایک دہائی کے دوران 400 سے زائد گرجا گھر بند ہونے کا انکشاف ہوا ہے۔ چرچ آف انگلینڈ کے اعداد و شمار کے تجزیہ سے پتہ چلا ہے کہ اس کے 940 گرجا گھروں کو 1987ء اور 2019ء کے درمیان بند کیا گیا، اعداد و شمار یہ بھی بتاتے ہیں کہ 2010ء سے 2019ء تک 423 چرچ بند ہوئے، ایک رپورٹ کے مطابق چرچ کے 42 ڈائسیز میں اوسطاً تقریباً 6 فیصد کم چرچ ہیں جن میں کل بائیں بازو 15،490 کے قریب ہے۔ ساؤتھ وارک کیتھڈرل کے ڈین دی ویری ریونڈ اینڈریو نن نے کہا کہ بڑی تعداد میں بندشیں حیران کن ہیں، میں بہت سے لوگوں کی تشویش میں شریک ہوں کہ گرجا گھروں کی بندش کا باعث بننے والی پالیسیوں کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم پیرش کے نظام میں زیادہ سے زیادہ تبدیلیاں دیکھ رہے ہونگے، ڈرہم اور مانچسٹر کے ڈائسیز میں بندش کی سب سے بڑی تعداد تھی 1987ء کے مقابلہ میں 15 فیصد کم گرجا گھروں کے ساتھ شرح ریکارڈ کی گئی یہ امر قابل ذکر ہے کہ برطانیہ میں تیزی کے ساتھ گرجا گھروں کے بند ہونے اور بعض عمارتیں فروخت ہو رہی ہیں، برطانیہ میں اس وقت 3 ہزار سے زائد مساجد موجود ہیں، جن میں سے نصف کے قریب اسلامی تنظیموں نے چرچ خرید کر ان میں مساجد قائم کیں، خریداری کرتے ہوئے اس معاہدے پر لازمی عمل کیا جاتا ہے کہ چرچ کی ظاہری شکل و صورت تبدیل نہیں کی جائے گی۔

(روز نامہ جنگ 6 جنوری 2022ء)

(منیر احمد منور۔ مبلغ انچارج سوئٹزرلینڈ)

فقہی کارنر

غیر ضروری تفتیش کرنا منع ہے

ایک شخص نے عرض کی کہ میں ایک گاؤں میں دوکان پر گڑ شکر بیچتا ہوں۔ بعض دفعہ لڑکے یا زمینداروں کے مزدور اور خادم چاکر کپاس یا گندم یا ایسی شے لاتے ہیں اور اس کے عوض میں سودا لے جاتے ہیں جیسا کہ دیہات میں عموماً دستور ہوتا ہے لیکن بعض لڑکے یا چاکر مالک سے چوری ایسی شے لاتے ہیں۔ کیا اس صورت میں ان کو سودا دینا جائز ہے یا کہ نہیں؟ فرمایا:

جب کسی شے کے متعلق یقین ہو کہ یہ مال مسروقہ ہے تو پھر اس کا لینا جائز نہیں لیکن خواہ مخواہ لوگوں کو چور ثابت کرنے کی کوشش کرنا دوکاندار کا کام نہیں۔ اگر دوکاندار ایسی تحقیقاتوں میں لگے گا تو پھر دوکانداری کس وقت کرے گا؟ ہر ایک کے واسطے تفتیش کرنا منع ہے۔ قرآنِ شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ گائے ذبح کرو۔ بہتر تھا کہ ایک گائے پکڑ کر ذبح کر دیتے۔ حکم کی تعمیل ہو جاتی۔ انہوں نے خواہ مخواہ اور باتیں پوچھنی شروع کیں کہ وہ کیسی گائے ہے اور کیسا رنگ ہے اور اس طرح کے سوال کر کے اپنے آپ کو اور دقت میں ڈال دیا۔ بہت مسائل پوچھتے رہنا اور باریکیاں نکالتے رہنا اچھا نہیں ہوتا۔

(بدر 8/اگست 1907ء صفحہ 5)

خدا تعالیٰ نے اپنے اخلاق میں یہ داخل رکھا ہے کہ وہ وعید کی پیشگوئی کو توبہ و استغفار اور دُعا اور صدقہ سے ٹال دیتا ہے اسی طرح انسان کو بھی اُس نے یہی اخلاق سکھائے ہیں جیسا کہ قرآن شریف اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت جو منافقین نے محض خباثت سے خلاف واقعہ تہمت لگائی تھی اس تذکرہ میں بعض سادہ لوح صحابہ بھی شریک ہو گئے تھے۔ ایک صحابی ایسے تھے کہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر سے دو وقتہ روٹی کھاتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کی اس خطا پر قسم کھائی تھی اور وعید کے طور پر عہد کر لیا تھا کہ میں اس بے جا حرکت کی سزا میں اس کو کبھی روٹی نہ دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی وَلۡیَعۡفُوۡا وَلۡیَصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۳﴾ تب حضرت ابو بکر نے اپنے اس عہد کو توڑ دیا اور بدستور روٹی لگا دی۔ اسی بناء پر اسلامی اخلاق میں یہ داخل ہے کہ اگر وعید کے طور پر کوئی عہد کیا جائے تو اُس کا توڑنا حُسنِ اخلاق میں داخل ہے۔ مثلاً اگر کوئی اپنے خدمتگار کی نسبت قسم کھائے کہ میں اس کو ضرور پچاس جوتے ماروں گا تو اس کی توبہ اور تضرع پر معاف کرنا سنت اسلام ہے تا تخلق باخلاق اللہ ہو جائے مگر وعدہ کا تخلف جائز نہیں ترکِ وعدہ پر باز پُرس ہو گی مگر ترکِ وعید پر نہیں۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 181)

(داؤد احمد عابد۔ استاد جامعہ احمدیہ یوکے)

چھوٹی مگر سبق آموز بات

معاشرے میں پائیدار امن کا قیام صرف اسلامی تعلیم پر عمل پیرا ہونے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے سے ہی یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لاؤ اور مومن نہیں ہو سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ (مسلم) ہر مسلمان کے دوسرے پر کچھ حقوق ہیں جن کو ادا کر کے معاشرے کو پر امن اور جنت نظیر بنایا جاسکتا ہے۔ اللہ کرے کہ ہم میں سے ہر ایک ایسا مومن بن جائے جو اپنے مومن بھائی سے نہ صرف محبت کرے بلکہ اس کے لئے نفع رساں وجود بنتے ہوئے معاشرے کے لئے امن اور سکون میں اضافہ کرنے کا باعث بھی بنے۔ آمین

بشریٰ نذیر آفتاب۔ سسکاٹون کینیڈا

		18 جنوری 2022ء	طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ			05:41	18:01
مدینہ منورہ	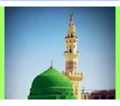		05:46	17:57
قادیان			06:03	17:50
ربوہ			05:43	17:30
اسلام آباد ٹلفورڈ			06:28	16:29